

تأليف

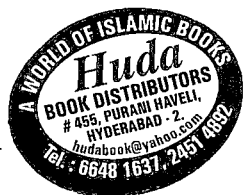
مولانا عبد السلام رحماني

ضعيف و موضوع و آیات



ضعیف و موضوع روایات

تالیف
مولانا عبدالسلام رحمانی



فردوس پبلیکیشنز، دہلی

© اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی-۲

ZAEEF WA MAUZOO REWAYAT

By: Maulana Abdus Salam Rahmani

Re. 50-

نام کتاب : ضعیف و موضوع روایات

نام مؤلف : مولانا عبدالسلام رحمانی

ایڈیشن : 2006

مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز دہلی

قیمت : ۵۰ روپے

ناشر :

فردوس پبلیکیشنز

۱۷۸۱ حوض سویوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

FIRDAUS PUBLICATIONS

1781, Hauz Suiwalan, New Delhi-110002

فہرست عناوین

(جن کی بابت غیر صحیح روایات اس کتاب میں ذکر کی گئی ہیں)

- ۱۔ اختلاف امتی رحمۃ ۹
- ۲۔ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ ۱۱
- ۳۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ۱۳
- ۴۔ حسنات الابرار سیئات المقربین ۱۷
- ۵۔ صرف نیک نیتی موجب ثواب ہے ۱۸
- ۶۔ یوم عاشورہ کو اہل و عیال پر کشتادگی کرنا ۲۰
- ۷۔ فضائل محرم و عاشوراء سے متعلق دیگر روایات ۲۵
- ۸۔ فضائل ماہ رجب ۲۷
- ۹۔ شب برأت کی مخصوص نمازیں ۲۸
- ۱۰۔ پندرہ شعبان کا روزہ ۳۰
- ۱۱۔ قد اظلمکم شہر عظیم ۳۲
- ۱۲۔ مؤذن سے اشهد ان محمد رسول اللہ سن کر انگشت شہادت آنکھوں پر پھیرنا ۳۵
- ۱۳۔ جب خطیب منبر پر چلا جائے تو نہ نماز درست ہے نہ گفتگو ۳۵

- ۱۴۔ مؤذن کی فضیلت میں وارد بعض احادیث ۳۹
- ۱۵۔ مسواک والی نماز غیر مسواک والی سے سترگنا افضل ہے ۴۳
- ۱۶۔ گردن پر مسح کرنا ۴۵
- ۱۷۔ نماز فجر کا وقت ۳۷
- ۱۸۔ امامت کے حقدار کی ترتیب ۴۹
- ۱۹۔ بابت رفع یدین و قرآن فاتحہ خلف الامام وغیرہ ۵۱
- ۲۰۔ بعد نماز سر پر ہاتھ پھیرنا ۵۶
- ۲۱۔ مسجد میں دنیوی باتیں ۵۷
- ۲۲۔ عصر کے بعد سونا ۵۸
- ۲۳۔ نماز کا فحش و منکر سے روکنا ۵۹
- ۲۴۔ جو نماز برے کاموں سے نہ روکے وہ اللہ سے دوری کا سبب بنتی ہے ۶۱
- ۲۵۔ مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا ۶۳
- ۲۶۔ نماز مغرب کے بعد نوافل کی متعین رکعت ۶۷
- ۲۷۔ ہر جمعہ کو ماں باپ کی قبر پر جانا ۷۰
- ۲۸۔ مکہ و مدینہ میں رمضان کی فضیلت ۷۳
- ۲۹۔ حجر اسود اللہ کا ہاتھ ہے ۷۵
- ۳۰۔ حج اور زیارت قبر نبویؐ ۷۶
- ۳۱۔ قربانی کی فضیلت میں احادیث مرویہ ۷۸
- ۳۲۔ غیبت کا ناقض وضو و نماز ہونا ۸۳
- ۳۳۔ جمعہ کے دن سفر میں نکلنا ۸۴

- ۸۶۔ ۳۴۔ پاپیادہ سفر حج کی فضیلت
- ۸۹۔ ۳۵۔ جس نے استخارہ کیا ناکام ہوا
- ۹۰۔ ۳۶۔ بابت سخی و بخیل
- ۹۱۔ ۳۷۔ عربیت نہ کسی کی ماں ہے نہ باپ
- ۹۳۔ ۳۸۔ عرب سے محبت کا حکم
- ۹۵۔ ۳۹۔ مومن کا جوٹھا شفاء ہے
- ۹۵۔ ۴۰۔ اتقوا مواضع التهم
- ۹۶۔ ۴۱۔ احادیث بابت پڑوس کی حد
- ۹۸۔ ۴۲۔ بابت مال حرام
- ۹۹۔ ۴۳۔ فاسق و فاجر کی برائی بیان کرنے کی شرعی حیثیت
- ۱۰۱۔ ۴۴۔ زیادہ کھانے سے احتراز کی بابت بعض احادیث
- ۱۰۳۔ ۴۵۔ دل رنجور اللہ کو محبوب ہے
- ۱۰۵۔ ۴۶۔ قلیل و کثیر زرعی پیداوار میں زکوٰۃ
- ۱۰۸۔ ۴۷۔ علماء سب سے اچھے سب سے برے
- ۱۱۲۔ ۴۸۔ سیرت نبوی ﷺ کے باب میں ضعیف و موضوع روایات



عرض مؤلف

طبرانی میں بسند صحیح یہ حدیث مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ما ترک شیئاً یقربکم الی اللہ الا وقد امرتکم به وما ترک شیئاً یبعدکم عن اللہ تعالیٰ الا وقد نہیتکم عنه“ جتنے بھی امور اللہ کی رضا و قرب کا ذریعہ تھے وہ سب میں نے تمہیں بتادیئے ہیں اور جتنے بھی امور اللہ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا ذریعہ تھے، ان سب سے ہم نے تمہیں روک دیا ہے۔ امت محمدیہ پر یہ اللہ رب العالمین کا بہت بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے اس امت کو مکمل دین و شریعت عطا فرمائی اور اس نعمت کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ جملہ امور دینی کا بیان اللہ و رسول کی طرف سے نہ ہو گیا ہو۔

جملہ امور دینیہ خواہ ان کا تعلق احکام شرعیہ (وجوب، استحباب، اباحت، حرمت و کراہت) سے ہو یا فضائل اعمال سے، ان کا ثبوت کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ کے ذخیرے سے مل جاتا ہے۔ مگر اسلام کے دانا دشمنوں اور بعض نادان دوستوں نے مختلف اغراض کے تحت بہت سی باتیں اپنی طرف سے وضع کیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور بعض سقیم راویان حدیث

کی غیر محفوظ روایات بھی احادیث نبوی کے ذخیرے میں شامل ہو گئیں۔

اللہ رب العالمین کا یہ بھی امت پر بڑا فضل و کرم ہوا کہ اس نے شریعت محمدیہ کی حفاظت و بقا کے لئے محدثین کرام و علماء اسلام کا ایک طبقہ ایسا پیدا فرمایا جس نے صحیح و غیر صحیح روایات کو ممتاز کر کے رکھ دیا اور فرمودہ رسول و غیر فرمودہ رسول کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ فجزاهم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔

ان محدثین کرام و علماء اسلام پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں جنہوں نے صحیح و سقیم روایات کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کا انتہائی مشکل کام انجام دیا اور طالبان حق کے لئے راہ حق واضح کر دیا۔ اب یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح روایات کا تتبع کرے اور سقیم روایات سے اجتناب کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع۔ (رواہ مسلم) ”جھوٹا آدمی بننے کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر سنی بات بیان کر بیٹھے“ (یہ اطمینان کئے بغیر کہ یہ بات صحیح ہے۔) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: من قال علیّ ما لم اقل فلیتبوأ مقعده من النار۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ) ”جو شخص میری طرف کوئی بات منسوب کرے حالانکہ میں نے وہ بات نہیں کہی ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“

کسی حدیث کو یہ جانتے ہوئے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے، اس کی حیثیت واضح کئے بغیر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا یا حدیث کے نام پر ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق و بے ساختہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے رہنا بڑی نا عاقبت اندیشی اور بڑی خطرناک جسارت ہے۔ علماء کرام کو خصوصاً اور پوری امت مسلمہ کو عموماً اس جسارت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سرد احادیث و بیان روایات کی جو ایک عام و غیر محتاط روچل پڑی ہے اس میں بڑی شدت سے یہ ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے کہ لوگوں کو سمجھایا جائے اور ان غیر صحیح روایات کی حیثیت بتائی جائے جو ہمارے ماحول و معاشرہ میں بے احتیاطی یا لاعلمی میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں۔

اسی ضرورت و جذبہ کے تحت ماہنامہ ”نور توحید“، کرشنا نگر، نینال کے مدیر محترم شیخ عبداللہ عبدالنواب مدنی حفظہ اللہ کی طلب پر میں نے اپنی کم علمی و بے بضاعتی کے باوجود علماء محققین کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے ”ضعیف و موضوع روایات“ کو ”نور توحید“ میں ستمبر ۱۹۸۸ء سے قسط وار شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو کچھ عرصہ تک چلتا رہا، پھر مراجع و مصادر کی شدید کمی کے سبب یہ سلسلہ مزید جاری نہ رہ سکا اور اسے بند کر دینا پڑا۔

”نور توحید“ میں جس قدر شائع ہو چکا تھا اب اسی کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، البتہ اس میں آخری حصہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں سیرت نبوی ﷺ سے متعلق کچھ ضعیف و موضوع روایات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ ناچیز کوشش اپنے فضل و کرم سے ماجور و مشکور فرمائے اور اس میں کوئی نادرست بات میرے قلم سے سرزد ہوگئی ہو تو اس کے شر سے مجھے اور ناظرین کرام کو محفوظ رکھے اور مجھے معاف فرمائے۔

ناچیز عبدالسلام رحمانی

جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار، ضلع بلرام پور، یوپی
۲۲ مئی ۱۹۹۷ء ۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

ضعیف و موضوع روایات

۱- اختلاف اُمّتی رَحْمَةً :

بہت سے اہل علم و عامۃ المسلمین میں یہ بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اختلاف امت کو خدا کی رحمت قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”اختلاف امتی رحمتہ“ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

مگر نہ یہ روایت صحیح ہے نہ امت کا اختلاف رحمت الہی ہے۔ اگر اختلاف امت رحمت الہی ہے تو بقول جاحظ امت کا اتحاد و اتفاق یقیناً عذاب الہی ہوگا۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہفت روزہ ”البلاغ“ ۱۹۱۵ء کے افتتاحی مقالہ میں ایک حدیث پر بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں :

”آں حضور ﷺ نے تو نماز کی صفوں میں ہمارے قدموں کے اختلاف کو ناپسند فرمایا تھا لیکن افسوس ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سرے سے جماعت کی نمازوں میں اختلاف کر بیٹھتے ہیں اور ہمارا ہر گروہ ایک ہی وقت میں اپنی الگ الگ جماعت مسجد حرام میں قائم کر لیتا ہے اور پھر تعجب ہے اس اختلاف کو اپنے لیے رحمت سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ امت کا اختلاف رحمت الہی ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ اس بے بنیاد حدیث نے اختلاف کو استحسان کی سند

عطا کر دی ہے اور لوگ بڑی خوش خوش مسلک و اعتقاد کے اختلافات کو گوارہ کرتے ہیں، اس اختلاف میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اسی بنا پر اسے رفع کرنے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع ہونے کا کوئی خاص داعیہ ان کی طبیعت میں پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں یہ گمان فاسد پیدا ہو گیا ہے کہ مسالک میں اختلاف شدید کے باوجود سب حق پر ہیں اور یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے ”الاحکام فی اصول الاحکام“ (۶۲/۵) میں ”اختلاف امتی رحمة“ کو حدیث رسول ماننے سے انکار کیا ہے کہ اس کا حدیث رسول ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہے اور فرماتے ہیں :

”یہ بہت ہی فاسد قول ہے اس لیے کہ اگر اختلاف، اللہ کی رحمت ہے تو اتفاق، اللہ کا غضب ہوگا اور کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اتفاق و اختلاف اور رحمت و غضب دو متبائن چیزیں ہیں۔ ایک موجب رحمت ہوگا تو لازماً دوسرا موجب غضب ہوگا۔ اے

شیخ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں :

”لا اصل له، ولقد جهد المحدثون فی ان یقفوا له علی سند فلم یوفقوا۔“

۱۔ انسان کی صلاحیت و علم یکساں نہیں اس لیے اس کے فہم مسائل و اجتہاد میں اختلاف ناگزیر ہے جو صرف معفو عنہ ہی نہیں بلکہ تخریج احکام و مسائل کے اندر جو خلوص نیت سے اجتہاد کیا جائے اور اس میں خطا بھی واقع ہو تو خطا کے باوجود وہ اجتہاد و کوشش باعث اجر ہوتی ہے اور صحابہ و ائمہ و علماء میں جو اختلاف فی المسائل ہے کتاب و سنت ہی پر عمل کے جذبہ سے ہے تو وہ نہ مذموم ہے نہ باعث غضب الہی، اگرچہ وہی بعض اختلاف فی الاقوال و المسائل رحمت نہیں زحمت اور اختلاف بین المسلمین کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے، محدثین باوجود تلاش بسیار اس کی کوئی سند نہ پاسکے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱، حدیث ۵۷)

شیخ البانی نے اس حدیث کے باطل ہونے اور اس کے آثار سیئہ پر تحقیق بحث کی ہے۔ شیخ البانی نے علامہ سبکی کا اس حدیث کی بابت یہ قول نقل کیا ہے ”ولیس بمعروف عند المحدثین ولم اقف له علی سند صحیح ولا ضعیف ولا موضوع“ محدثین کے پاس یہ حدیث معروف نہیں اور میں اس حدیث کی صحیح یا ضعیف یا موضوع کسی بھی سند پر واقف نہ ہوسکا۔

اور یہی بات شیخ زکریا انصاری نے اپنی تعلیق علی تفسیر البیضاوی (ق ۲/۹۲) میں کہی ہے۔

بعض روایات میں صحابہ کے اختلاف کو امت کے لیے رحمت بتایا گیا ہے مگر وہ روایت بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔



۲- اِخْتِلَافُ اصْحَابِی لَكُمْ رَحْمَةٌ :

”اختلاف امتی رحمة“ پر کلام ابھی اوپر گزرا کہ وہ ثابت نہیں ہے۔ ائمہ حدیث نے اسے باطل و مکذوب و بے بنیاد قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں ”اختلاف اصحابی لکم رحمة“ مختلف الفاظ سے آیا ہوا ہے مگر اس کا بھی فرمودہ رسول ہونا ثابت نہیں ہے۔

بیہقی نے ”مدخل“ میں، خطیب نے ”الکفایۃ فی علم النہایۃ“ میں اور طبرانی نے ”معجم“ میں اور دیلمی نے اپنی مسند میں اور بعض دوسرے مصنفین نے اپنی مصنفات میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

”عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ”مهما اوتيتم من كتاب الله فاعمل به لا عذر لاحدكم في تركه فان لم يكن في كتاب الله فسنه مني ماضية فان لم يكن سنة مني ماضية فما قال اصحابي، ان اصحابي بمنزلة النجوم في السماء فايما اخذتم به اهتديتم واختلاف اصحابي لكم رحمة.“

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس قدر احکام و مسائل کتاب اللہ میں پاؤں اس پر عمل کرو اس کو ترک کرنے پر کسی کا عذر مسموع نہ ہوگا۔ اگر کتاب اللہ میں کوئی مسئلہ نہ پاؤں تو میری سنت پہ عمل کرو اور میری سنت بھی نہ پاؤں تو میرے صحابہ کے اقوال دیکھو، بیشک میرے صحابہ ایسے ہیں جیسے آسمان میں تارے، ان سے جو کچھ تم لوگ اس سے ہدایت ہی پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

اس حدیث کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے، کسی بھی صحیح سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے، اس حدیث کا یہ ٹکڑا ”اختلاف اصحابی لكم رحمة“ اور اس سے پہلا ٹکڑا ”ان اصحابی بمنزلة النجوم فی السماء فايما اخذتم به اهتديتم“ کئی مصنفین نے یکجا بھی اور الگ الگ بھی اور مختلف الفاظ سے اپنی اپنی مصنفات میں ذکر کیا ہے مگر یہ دونوں باتیں صحیح سند سے کہیں بھی مروی نہیں ہیں۔

”اختلاف اصحابی لكم رحمة“ کے طرق و اسانید پر مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے البلاغ دسمبر ۱۹۱۵ء میں مفصل بحث کی ہے۔ مولانا آزاد رحمہ اللہ، حافظ سخاوی کے جمع کردہ اس حدیث کے بعض طرق کو ذکر کر کے اور ابن حجر مکی کے جمع کردہ طرق کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں :

”آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان تمام مخارج مندرجہ صدر میں ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے اس روایت کو کچھ بھی تقویت مل سکے اور جس سے حسب اصول فن وقوم ثابت ہو سکے کہ یہ حدیث قابل احتجاج و استناد ہے اس حدیث کے تمام مخارج پر نظر ڈالئے، دفعہ ۲ سے لے کر ۷ تک جس قدر مخارج ہیں ان میں ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے کوئی توثیق و سند حاصل کی جاسکے۔“

مولانا آزاد نے اس پر طویل بحث کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے :

نیز حدیث ”اصحابی کا لنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم“ لوگوں کی زبان پہ بہت مشہور ہے اور بہت سے اہل علم اسے تقریر و تحریر میں ذکر کرتے ہیں مگر یہ جتنے طرق سے بھی مروی ہے، موضوع ہے۔ بعض حضرات نے اسے کشف صوفیہ کا سہارا لے کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر محدث عصر شیخ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے کشف صوفیہ کے ذریعہ موضوع روایات کو صحیح ثابت کرنا باطل و بکواس قرار دیا ہے اور اس حدیث کے جمیع طرق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس حدیث اور اس کے منطوق پر علامہ البانی نے علامہ ابن حزم کا جو کلام ذکر کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔

(تفصیلی معلومات کے لیے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱ ص ۸ تا ۸۵ ملاحظہ فرمائیے۔)



۳- علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل :

موضوع احادیث میں سے ایک حدیث ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ ہے جو کہ فرمودہ رسول ﷺ کی حیثیت سے اچھے خاصے اہل علم و اہل تقویٰ حضرات میں زمانہ دراز سے مشہور چلی آ رہی ہے۔ عرصہ ہوا ہفت روزہ

”الاعتصام“ لاہور کے شمارہ ۷/ مئی ۱۹۸۲ء میں میں نے پڑھا تھا اور بہت حیرت و افسوس کے ساتھ نوٹ کیا تھا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ جنہیں سید الطائفہ دیوبندیہ کہنا بجا ہے، لکھتے ہیں :

منقول ہے شب معراج کو جب آنحضرتؐ حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ سے استفسار فرمایا کہ (علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل) جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام باضافہ الفاظ ”برکاتہ و مغفوتہ“ وغیرہ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا ”یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو“ آپ نے عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا ’وما تلک بیمینک یا موسیٰ‘ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ”ہی عصای اتوکأ علیہا۔ الآیۃ“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”ادب یا غزالی“ ادب کراے غزالی۔ (شائم امدادیہ ص ۱۳۴) اہل علم و تحقیق غور فرمائیں ایک موضوع و بے بنیاد روایت کو حدیث رسول قرار دینے کے لیے کیسا مہمل واقعہ وضع کرنے کی جسارت کی گئی ہے اور امام غزالی کو جو کہ واقعہ معراج سے ساڑھے چار سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ شب معراج میں موجود اور حضرت محمد ﷺ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینے والا اور حضرت موسیٰ کو اعتراض میں لا جواب کر دینے والا دکھا کر امت محمدیہ کے عالم کو انبیاء بنی اسرائیل میں سے نہایت جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی فائق ثابت کرنے کی بیہودہ کوشش کی گئی ہے۔ عقل حیران ہے کیا ایسے بزرگ حضرات جو مریدوں اور عقیدت مندوں کا ایک طویل ترین سلسلہ رکھتے ہیں اور جن کے ملفوظات الہامی ملفوظات کے انداز میں سنے اور بیان کئے جاتے ہیں، نقل روایات میں ”کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ماسمع“ ومن قال

علیٰ مالہ اقل فلیتبعوا مقعده من النار“ وغیرہ صحیح روایات و فرمودات رسول
علیہ التحیات والصلوات کا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے اور اس بے احتیاطی میں کوئی
حرج نہیں سمجھتے؟

بسوخت عقل زحیرت

تعجب ہے کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، جیسے نامور صاحب علم و
قلم بھی اس معاملہ میں احتیاط نہیں فرماتے۔ ”سوانح حضرت مولانا عبد القادر
راپوری“ (ص ۱۱۶) میں حضرت موصوف کی مجالس اور نظام الاوقات کا ذکر
کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں صاحب رقمطراز ہیں ”حضرت کی مجلس کا
رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ چھوٹے پیمانہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کا رنگ ہے۔
”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ والی حدیث صاف چسپاں ہوتی تھی۔

اور اس موضوع روایت کے سلسلہ میں یہ حیرت ناک واقعہ بھی پڑھے کہ
قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد حنفی برہانپوری جو شیخ نظام برہانپوری (جن کے
زیر اہتمام فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا) کے استاذ ہیں۔ فقہ و حدیث کے ممتاز علماء
میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ حدیث ”علماء امتی کانبیاء بنی
اسرائیل“ موضوع اور بے اصل ہے۔ اس حقیقت کا ان کی زبان سے اظہار ہونا
تھا کہ ان کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا گیا۔ حد یہ ہے کہ خود ان کے خسر علم
اللہ بیجاپوری نے انہیں کافر قرار دے دیا اور فتویٰ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے اور
آگ میں جلا دیا جائے۔ اس فتویٰ پر عملدرآمد کے لیے انہوں نے محضر نامہ مرتب
کیا جس پر علماء سے دستخط لیے اور مہر ثبت کرائیں، صرف شیخ فضل اللہ برہانپوری
اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس کی تصدیق و تصویب سے انکار کر دیا اور بڑی
مشکل سے ان کی جان بخشی ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر ص ۴۱۷ و ص ۴۱۸، ج ۵)

اب ذرا اس حدیث کی حالت ملاحظہ کیجئے جسے اس قدر ثقہ حضرات حدیث رسول کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں اور جسے حدیث صحیح نہ سمجھنا ناقابل معافی جرم قرار پاتا ہے۔

اس حدیث ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ کی بابت علامہ سخاوی لکھتے ہیں :

”قال شيخنا ومن قبله الدميري والزرکشی انه لا اصل له زاد بعضهم : ولا يعرف في كتاب معتبر“

یعنی ہمارے شیخ (ابن حجر) اور ان سے قبل علامہ دمیری اور زرکشی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس روایت کا کسی معتبر کتاب میں ذکر نہیں۔ (المقاصد الحسنة ص ۲۸۹) ملا قاری حنفی فرماتے ہیں :

لا اصل له كما قال الدميري والزرکشی والعسقلانی (المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع ص ۹۳، اسرار المرفوعة فی الاحادیث الموضوعه ص ۲۴۷) اس کے علاوہ ملاحظہ فرمائیں الفوائد المجموعه ص ۲۸۶، تمیز الطیب من الخبیث رقم ۱۸۷۱، سنی المطالب ص ۱۴۰، الدر المنتشره للسيوطی ص ۱۱۳۔ اور عصر حاضر کے مشہور محدث و محقق علامہ محمد ناصر الدین البانی اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں : لا اصل له باتفاق العلماء، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ یہ کہنا بالکل بے بنیاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعيفة والموضوعه ج ۱، حدیث ۴۶۶)

۴- حسنات الابرار سیئات المقربین :

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ جو عام نیک عمل کرنے والوں کے حق میں تو حسنات (نیکیاں) ہی شمار ہوتے ہیں مگر وہ مقربین بارگاہ الہی کے مقام بلند سے فروتر ٹھہرتے ہیں اور وہ ان کے حق میں سیئات قرار پاتے ہیں۔

بعض حلقوں میں یہ بات حدیث رسول کی حیثیت سے معروف ہے اور لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ ابوسعید خدری صوفی کا قول ہے، جسے امام غزالی نے احیاء العلوم (۴/۴۳۷) میں قال القائل الصادق: حسنات الابرار سیئات المقربین کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ”القائل الصادق“ کے لفظ سے بعض حضرات کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے اسے حدیث رسول سمجھ لیا۔ چنانچہ ابو الفضل محمد بن محمد الشافعی نے اپنی کتاب ”الظل المورد“ میں اسے بایں طور ذکر کیا ہے: ”فقد روی انه صلی اللہ علیہ وسلم قال: حسنات الابرار سیئات المقربین“ یعنی یہ (حسنات الابرار سیئات المقربین) رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔

حالانکہ اسے رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دینا بالکل باطل اور بے بنیاد ہے، یہ ہرگز رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی و ابن عساکر نے یہ قول ابوسعید خدری صوفی ہی کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے اور ابن عساکر نے یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ ”وعدہ بعضهم حدیثاً ولیس کذا لک“ یعنی بعض لوگوں نے اسے حدیث سمجھ لیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اور علامہ البانی نے تو اس قول کا جو معنی اور مفہوم ہے اسے بھی غیر صحیح قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو عمل بھی از قبیل حسنہ (نیکی) ہے وہ کسی کے حق میں بھی سیئہ (بدی) نہیں قرار پا سکتا۔ نیکیاں قربت الہی کا ذریعہ ہوتی ہیں اور وہ

مقربین کے حق میں سیئات (بدی) قرار پا جائیں (جو کہ اللہ سے دوری کا ذریعہ ہوتی ہیں) یہ ناقابل فہم ہیں۔

(تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ فرمائیں : سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة للالبانی ج ۱، حدیث ۱۰۰)



۵۔ صرف نیک نیتی موجب ثواب ہے؟

بہت سے حضرات سمجھتے ہیں کہ نیک نیتی سے جو کام نیکی سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے کیا جائے تو اس پر ضرور ثواب ملتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کام کا نیک کام ہونا شریعت سے ثابت ہے یا نہیں۔

جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، غلط سمجھتے ہیں۔ کسی کام پر ثواب صرف اس صورت میں مل سکتا ہے جب کہ اس کام کا نیک کام ہونا شریعت سے ثابت ہو اور اسے نیک نیتی سے کیا جائے۔

کام شرعاً نیک ہو مگر نیت نیک نہ ہو تو بھی ثواب نہیں ملتا اور نیت نیک ہو مگر اس کام کا نیک کام ہونا شرعاً ثابت نہ ہو تو بھی ثواب نہیں ملتا۔

شرک و بدعت کے جتنے بھی کام ہیں اس کے کرنے والے اس کام کو نیک نیتی سے نیکی کا کام سمجھ کر ثواب ہی کی امید میں کرتے ہیں مگر اس پر وہ ثواب کے نہیں گناہ کے مستحق قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ کام حقیقت میں شرعاً نیک کام نہیں ہوتا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ ہجرت جو ایک بڑے ثواب کا دینی کام ہے، اگر کوئی اس دینی کام کو دنیاوی مقصد سے کرتا ہے تو اس کو بس وہ دنیاوی فائدہ جو حاصل ہو سکے گا، ہوگا۔ اسے ہجرت کا کوئی ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس کی نیت نیک

نہیں ہے۔

اس حقیقت کے برخلاف جو بعض حدیثیں اس طرح کی آتی ہیں کہ:

۱۔ من بلغه عن الله شيء فيه فضيلة فاخذ به ايمانا به ورجاء ثوابه اعطاه الله وان لم يكن كذلك اخرجہ الحسن بن عرفة فی جزئہ، والخلال فی فضل رجب، والخطیب واخرون فی کتبہم۔

۲۔ من بلغه عن الله فضل. فاخذ بذلك الفضل الذي بلغه اعطاه الله ما بلغه وان كان الذي حدثه كاذبا اخرجہ البغوی وابن عبد البر وابن عساکر وغيرہم فی بعض کتبہم۔

یعنی جس کام کی بابت یہ خبر ملے کہ یہ فضیلت و ثواب کا کام ہے اور کوئی شخص اس کام کو نیک کام سمجھ کر خدا سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے انجام دے تو اسے وہ اجر و ثواب مل جائے گا اگرچہ وہ خبر غلط ہو اور اس کا بیان کرنے والا جھوٹا آدمی ہو۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں، یہ حدیثیں موضوع ہیں۔ ایسی کوئی صحیح حدیث ذخیرہ احادیث میں نہیں آتی ہے۔

(تحقیق و تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱، حدیث ۴۵۱-۴۵۲)

ایک حدیث اس طرح روایت کی جاتی ہے :

”لو اعتقد احدکم بحجر لنفعه“ تم میں سے کوئی کسی پتھر کا بھی معتقد ہو جائے تو وہ پتھر بھی اسے نفع پہنچا دے گا۔

یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ ملا علی قاری ’موضوعات‘ میں فرماتے ہیں :

”علامہ ابن القیمؒ نے کہا ہے کہ یہ بت پرستوں کا کلام ہے جو کہ پتھروں

سے عقیدت رکھتے ہیں اور علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: لا اصل له، ونحوہ: من بلغه شئ عن الله فيه فضيلة..... الحديث“ یہ بے بنیاد روایت ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اور اسی طرح وہ حدیث بھی بے بنیاد ہے۔ (جو اوپر گزری) من بلغه شئ عن الله فيه فضيلة. الحديث. (ضعیف ج ۱، حدیث ۴۵۰)

پتھروں، قبروں اور دیوی دیوتاؤں سے عقیدت رکھنے والوں کو بسا اوقات ان سے مرادیں مانگنے یا عقیدت قائم کرنے پر فائدہ پہنچ جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان پتھروں یا قبروں یا دیوی دیوتاؤں نے فائدہ پہنچایا ہے۔ حالاں کہ سب فائدہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے پہنچتا ہے مگر بد عقیدہ آدمی اسے دوسرے کی طرف سے سمجھ لیتا ہے۔



۶۔ یومِ عاشورہ کو اہل و عیال پر کشادگی کرنا:

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من وسّع على عياله في النفقة يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته“ جس نے اپنے اہل و عیال پر عاشورہ کے دن کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا۔

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، ابو سعید و جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اسے بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔ رزین نے اپنی جامع میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں، ابن عدی نے اپنی مسند میں، ابن عبد البر نے الاستذکار میں، اور بھی کئی محدثین نے اپنی بعض مصنفات میں اسے ذکر کیا ہے۔

سیوطی نے اللآلی المصنوعة میں اس روایت کو کئی سند سے ذکر کر کے اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ابو الفضل بن ناصر نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے۔ امام بیہقی و حافظ عراقی اس کی تحسین کے حق میں ہیں۔ اور حافظ سخاوی کا میلان بھی عند عبد البر والی حدیث کی تحسین کی طرف ہے اور صاحب مرعاة رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام بیہقی کا رجحان معتمد ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا: ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اس کو ایسا ہی پایا۔ جابر ابو الزبیر اور شعبہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (مرعاة المفاتیح طبع ۱۹۶۳ء، ص ۱۷۵، ج ۳)

مگر شیخین ابن تیمیہ و ابن قیم نے اس حدیث کو موضوع و باطل کہا ہے اور علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ اپنی تعلیق مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ہو حدیث ضعیف من جمیع طرقہ، وحکم علیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ بالوضع فما ابعد والشريعة لا تثبت بالتجربة۔ یہ حدیث من جمیع طرق ضعیف ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے موضوع کہا ہے اور اس کا موضوع ہونا کچھ مستبعد نہیں۔ رہا فلاں کا تجربہ، سو تجربہ شریعت میں حجت نہیں۔ (ص ۱۶۰۳، ج ۱) اور علامہ ابن الجوزی اپنی کتاب الموضوعات میں اس حدیث کو عبد اللہ بن مسعود کی روایت سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: عقیلی نے کہا اس حدیث کا راوی ہیسیم مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس شخص کی روایات سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کو سلیمان بن ابی عبد اللہ نے بھی ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ عقیلی نے کہا: سلیمان مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی مسند روایت میں یہ قول ثابت نہیں ہے۔ (ص ۲۰۳، ج ۲)

اور آٹھویں صدی کے محدث و فقیہ حافظ ابن رجب ”لطائف المعارف“

میں فرماتے ہیں: وقد روى من وجوه متعددة لا يصح فيها شيء. یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے مگر کوئی بھی اس بارے میں صحیح نہیں ہے۔ (ص ۵۲)

منهاج السنة (ص ۲۳۸، ج ۲، ص ۱۱، ج ۴) وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ص ۲۵۴ ج ۲) میں اس حدیث کے متعلق امام احمد سے منقول ہے: ”لا اصل له“ (اس روایت کی کوئی اصل نہیں) ”فلم يره شيئاً“ (امام احمد نے اس روایت کو کچھ شے نہیں سمجھا) حافظ ذہبی، ابن وضاح اور ”صاحب سفر السعادة“ کے رویہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک موقع پر عاشورہ سے متعلق جھوٹی روایتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عاشورہ کے دن نفقہ میں فراخی کرنا ان بدعتوں میں سے ہے جو روافض کے بالمقابل وضع کی گئی ہیں اور ان بدعات کے فضائل میں بہت سے جھوٹی روایتیں گڑھی گئی ہیں اور ابن ناصر وغیرہ بعض حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس باب میں کوئی بھی صحیح روایت نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے لاعلمی میں اس کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۰۱، طبع مصر ۱۹۵۰ء)

حافظ سیوطی نے جو اس کی متعدد سندیں ذکر کی ہیں، ان سب میں ایسے مجروح راوی ہیں جن کی وجہ سے کثرت طرق کے باوجود یہ روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ عبد اللہ بن مسعود والی سند میں دو راوی نہایت کمزور ہیں۔ اور ابو ہریرہ والی ایک سند میں ہیسیم بن شراخ بہت ہی ضعیف ہے اور دوسری میں سلیمان ہے جو مجہول ہے اور جابر والی سند میں دو راوی ہیں جن کو محدثین نے

وضاع (جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا) کہا ہے۔ ایک سند کے متعلق حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ سخت منکر ہے۔ (لسان المیزان) نیز اس میں ایک خارجی راوی ہے اور ابوسعید والی سند میں مجہول راوی ہیں اور دو راوی متروک ہیں۔

اس حدیث کی بعض سندوں میں خارجی راوی ہیں اور زیادہ تر کوئی و بصری ہیں جہاں خروج و نصب (عداوت علی و حسین) کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ مدعیان حب اہل بیت نے اگر اس دن ماتم کی چیزیں پیدا کر لیں تو دشمنان اہل بیت نے ان کے مقابل مسرت کے امور اس دن کے لیے گھڑ لیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

قتل حسین کے سبب شیطان نے دو بدعتیں پیدا کر دیں، ایک تو مدعیان حب حسین (رافضیوں) کے ذریعہ، جنہوں نے اس دن کو یوم ماتم بنا لیا۔ دوسری بدعت دشمنان علی و حسین (خارجیوں) کے ذریعہ، جنہوں نے اس دن کے لیے مسرت کے بہت سے عمل وضع کر لیے اور انہوں نے یہ حدیث گڑھی کہ جو شخص یوم عاشورہ کو اپنے اہل پر کشادگی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کشادگی کرے گا، وغیرہ وغیرہ۔ (منہاج النہج ص ۲۳۸، ج ۲ ملخصاً)

اور اس قسم کی روایات گھڑ لینا اہل بدعت کا عام شیوہ تھا۔ بسا اوقات راویان اہل حق بھی اپنی نادانستگی کے سبب ایسی روایتیں سن کر بیان کرنے لگتے تھے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ و فتاویٰ واقتضاء الصراط المستقیم میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

نیز ان مجہول راویوں اور ضعیف سندوں کے سوا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور صحابہ و تابعین، تبع تابعین وائمہ کے زمانوں میں اس توسیع نفقہ کا

کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برعکس امام محمد بن وضاح نے اپنی کتاب ”البدع المنہی عنہا“ میں یحییٰ بن یحییٰ (المتوفی ۲۳۴ھ) سے نقل کیا ہے :

”میں امام مالک کے زمانہ میں مدینہ منورہ اور امام لیث و ابن القاسم و ابن وہب کے ایام میں مصر میں موجود تھا اور یہ دن (یوم عاشورہ) وہاں آیا مگر کسی سے میں نے اس توسیع نفقہ کا ذکر تک نہیں سنا۔ اگر ان کے لیے کوئی ایسی روایت ہوتی تو باقی احادیث کی طرح اس کا بھی وہ ذکر کرتے۔“ (ص ۴۵)

امام ابن وضاح اور یحییٰ بن یحییٰ تیسری صدی کے بلند پایہ محدث و فقیہ ہیں۔ ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل جس کسی کا تھا بلا ثبوت تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلف کا زمانہ دوسری بدعات کے ساتھ توسیع نفقہ سے بھی خالی تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

”دس محرم کو خاص کھانا پکانا وغیرہ من جملہ بدعات و منکرات ہے۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کا یہ طریقہ نہ تھا۔ نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب اور کارِ ثواب سمجھا، نہ امام مالک، احمد، شافعی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ دیگر ائمہ مسلمین نے۔“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۵۴، ج ۲)

نیز فرماتے ہیں :

”یوم عاشورہ کو شیعوں نے ماتم وغیرہ کی بدعت نکالی اور ناصبیوں نے سرمہ لگانا، غسل کرنا، عیال پر کسادگی کرنا وغیرہ مشروع قرار دیا۔ یہ ایک بدعت ہے جو دشمنانِ حسین نے نکالی اور وہ ایک بدعت ہے جسے محبانِ حسین نے وضع کی اور جو بدعت بھی ہو وہ گمراہی ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ ائمہ اسلام نے نہ اس کو پسند کیا ہے نہ اُس کو اور ان دونوں بدعتوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یوم عاشورہ کو صرف روزہ رکھنا

مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس کے ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھا جائے۔“ (منہاج النص ۲۴۸ ج ۲)



۷۔ فضائل محرم و عاشوراء سے متعلق دیگر روایات :

ماہ محرم و یوم عاشوراء کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیشتر مرویات کو علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔ ابن الجوزی نے ان روایات کے ذکر سے پہلے ہی یہ وضاحت کر دی ہے کہ: ”اہل سنت کے ایک جاہل گروہ نے یہ مذہب بنا لیا ہے کہ رافضیوں کو چڑھانے کے لیے (جو کہ اس دن ماتم کرتے ہیں) اس دن (یوم عاشوراء) کی فضیلت میں بہت سی جھوٹی روایتیں گھڑی ہیں۔ ہم ان دونوں گروہوں سے بری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس دن روزہ کا حکم صحیح طور پر ثابت ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اس دن (یوم عاشوراء) کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ مگر ان لوگوں نے اس ثابت شدہ عمل مشروع پر قناعت نہیں کی۔ حدیث صحیح سے اعراض کر کے لمبی چوڑی کہانیوں میں کھو گئے اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔ (کتاب الموضوعات مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۹، ج ۲)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں: ”اور جب کہ عاشوراء کے دن فضائل کے باب میں اہل و عیال پر وسعت اور مصافحہ و خضاب و غسل کی برکت وغیرہ کے متعلق حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس دن ایک خاص نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ پر افتراء و کذب ہے، محرم میں صوم عاشوراء کے سوا کوئی عمل بسند صحیح ثابت

نہیں۔“ (ص ۱۱، ج ۴، مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ء)

اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ غیر صحیح و غیر ثابت روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”اور انہیں غیر صحیح روایات میں سے وہ حدیثیں ہیں جن میں یوم عاشوراء کو سرمہ لگانا زینت کرنا، اہل و عیال پر وسعت و فراخی کرنا اور اس دن ایک خاص نماز پڑھنی اور اس کے علاوہ دیگر فضائل مذکور ہیں، ان میں سے کوئی بھی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں اور نہ کوئی ایک حدیث بھی اس سلسلہ میں ثابت ہے سوائے احادیثِ صیام کے، احادیثِ صیام کے سوا اس دن کی فضیلت سے متعلق جتنی احادیث بھی مروی ہیں سب باطل ہیں۔“

احادیثِ صیام کے علاوہ اس دن کی فضیلت سے متعلق مروی تمام احادیث میں افضل حدیث ”من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر مسنتہ“ ہے۔ (یعنی جس نے اپنے بال بچوں پر عاشوراء کے دن کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا) مگر امام احمدؒ نے فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور وہ حدیث جس میں اس دن سرمہ لگانے، تیل لگانے اور خوشبو لگانے کی فضیلت مذکور ہے تو وہ کذاب لوگوں کی من گھڑت چیز ہے۔ اسی کے مقابل دوسرے گروہ نے یوم عاشوراء کو رنج و ماتم کا دن بنا دیا۔ دونوں گروہ بدعتی ہیں اور سنت کے دائرہ سے نکلے ہوئے ہیں۔

اور اہل سنت یوم عاشوراء میں روزہ رہتے ہیں جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور بدعات سے اجتناب کرتے ہیں جن کی رہنمائی شیطان کرتا ہے۔
(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، فصل ۳۱)

۸- فضائل ماہِ رجب :

فضائل رجب سے متعلق ایک حدیث پڑھئے جو اُن باطل اور غیر ثابت روایات میں سے ایک ہے جسے سقیم و مجروح راویوں نے فضائل رجب کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔ ممکن ہے مسلمانوں کا وہ طبقہ جو اسلامی واقعات کو جشن اور سیلوں ٹھیلوں کے لیے استعمال کرتا ہے اور ماہِ رجب میں شبِ معراج کا جشن مناتا ہے، رجب کی فضیلت میں اس طرح کی باطل و غیر ثابت روایتیں بیان کرتا ہو۔

حافظ بیہقی نے مجمع الزوائد میں ”باب فی صیام عاشوراء“ کے تحت یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : رجب ایک عظیم الشان مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نیکیاں چند در چند کرتا ہے۔ پس جو شخص ماہِ رجب میں ایک دن روزہ رکھ لے، اس نے گویا ایک سال روزہ رکھا۔ اور جو اس میں سات دن روزہ رکھ لے، اس کے لیے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو آٹھ دن روزہ رکھ لے اُس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جو دس دن روزہ رکھ لے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر مانگ پوری کر دے گا۔ اور جو اس مہینہ کے پندرہ دن روزہ رکھ لے، تو اس کے لیے آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ تیری گزری ہوئی ساری خطائیں معاف کر دی گئیں، اب تو اپنے اعمال کے نئے کھاتے پر نظر کر۔ اور جو شخص اس مہینہ میں پندرہ دن سے بھی زیادہ روزہ رکھے گا، اسے اسی حساب سے مزید صلہ ملے گا۔ اسی ماہِ رجب میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار کیا تھا اور نوح و جملہ سوارانِ کشتی نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ وہ کشتی سات مہینے تک بہتی رہی، ساتویں مہینہ (محرم) میں عاشوراء کے دن جو دی پہاڑ پر رک گئی اور سب نیچے اتر

آئے اور بطور شکر الہی نوح علیہ السلام و جملہ مومنین اور کشتی پر سوار تمام چرند و پرند نے اس دن روزہ رکھا۔ یہی یوم عاشوراء ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑا اور آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔ اور اسی مبارک دن میں حضرت یونس علیہ السلام کی بھی توبہ قبول ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام بھی اسی مبارک دن میں پیدا ہوئے۔

حافظ بیہمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں : اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کا ایک راوی عبد الغفور ہے جو متروک ہے۔ (ص ۱۸۸، ج ۳) اور متروک راوی کی روایت مردود روایات کے خانے میں آتی ہے اور یہ روایت ہرگز اس لائق نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔ علامہ سیوطی نے (اللائی المصنوعة ص ۳۷۲) میں اسی روایت کو کچھ فرق کے ساتھ شعب الایمان للبیہقی اور ابن عساکر و تفسیر ابن جریر کے حوالہ سے الگ الگ سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی سند مجہول و متروک راویوں سے محفوظ نہیں ہے، حتیٰ کہ بعض وضاع و کذاب راوی بھی اس میں آگئے ہیں اور ایسے راویوں کی روایت نہ خود مقبول ہوتی ہے نہ کسی روایت کو مقبول بنا سکتی ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کہ ماہِ رجب کے روزہ اور اس کی بعض راتوں کی مخصوص نمازوں کے بارے میں جتنی روایات بھی مروی ہیں سب جھوٹی گھڑی ہوئی ہیں۔ (المنار المنیف لابن القیم، فصل ۲۱)



۹۔ شبِ برات کی مخصوص نمازیں :

شعبان کی پندرہویں رات ”شبِ برات“ جو ایک فضیلت کی رات کی

حیثیت سے معروف ہے جس طرح وضاع و کذاب راویوں اور قصاص واعظین نے دوسری فضیلت کی راتوں اور دنوں کے لیے خاص خاص نمازیں اور اوراد و وظائف وضع کئے اور ان کی بڑی فضیلت اور بڑے لمبے چوڑے ثواب گنائے ہیں اور پھر ان سب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے، اسی طرح شب برات کے لیے بھی ان خبیثوں نے کچھ خاص اوصاف کی نمازیں وضع کی ہیں اور ان کے بڑے لمبے چوڑے اجر و ثواب گنائے اور اسے رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الموضوعات“ جلد ثانی میں ایک باب قائم کیا ہے: باب ذکر صلوٰۃ اشتہر بذکرھا القصاص واشتہرت بین العوام ولا اصل لها“ اور انہیں بے بنیاد روایتوں کے ضمن میں شب برات کی ان مخصوص نمازوں کو ذکر کیا ہے۔ اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”المنار المنیف فی الصحیح والضعیف“ میں ومنہا (ای من الموضوعات) احادیث صلوٰۃ لیلة النصف من شعبان کا عنوان دے کر ان موضوع حدیثوں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انہیں روایات کی بابت علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قد رویت صلوٰۃ هذه الليلة علی انحاء مختلفة کلھا باطلۃ موضوعۃ. (الفوائد المجموعۃ، ص ۵۱)

اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں احادیث تطوعات لیلة نصف شعبان یحکم قطعاً بوضعها. (ظفر الامانی ص ۲۴۰) یعنی وہ سب حدیثیں قطعی طور پر موضوع و باطل ہیں۔

۱۰۔ پندرہ شعبان کا روزہ :

پندرہ شعبان کا دن عموماً فضیلت کا اور روزہ کا دن سمجھا جاتا ہے۔ مرد تو کم مگر عورتیں اس دن خاص طور پر روزہ رہتی ہیں حتیٰ کی بہت سی جگہ اہل حدیث گھرانوں کی عورتیں بھی اس دن روزہ رہتی ہیں۔ حالاں کہ متحقق بات یہ ہے کہ اس دن کو فضیلت کا دن سمجھ کر خاص اس دن روزہ کا رِثواب نہیں بدعت ہے۔ کوئی بھی دن جس کی کوئی خصوصیت بہ سند صحیح ثابت نہ ہو اس دن کو کسی عبادت کے لیے خاص کرنا بدعت قرار پاتا ہے۔

حنفی علماء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے ”ہر ایسا طریقہ جس میں شارع کی طرف سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں اس کا ارتکاب بدعت ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۷ ج ۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے ”احداث فی الدین یہی ہے کہ دین میں اپنی رائے اور قیاس سے تخصیصات اور تقییدات مقرر کرنا اور جو موقع کسی ذکر کا نہیں ہے اس کو اس موقع میں معمول بہ بنانا“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند طبع ثانی ص ۳۸۲، ج ۵) اور اس اصول کے تحت علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں پندرہ شعبان کے روزہ کو بدعت قرار دیا ہے اور بہت سے علماء نے اس کی تائید کی ہے۔

پندرہ شعبان کی رات تو بہت سے محقق علماء کی تحقیق میں فضیلت کی رات ہے مگر پندرہ شعبان کے دن کو کوئی بھی خصوصیت و فضیلت حاصل نہیں ہے اور جس حدیث کی بنا پر ۱۵ شعبان کے روزہ کا رواج ہوا ہے وہ انتہائی ضعیف حدیث ہے اس کا بیان کرنے والا ایک ایسا راوی ہے جس کی روایت سے دلیل پکڑنا جائز ہی نہیں ہے۔

مشکوٰۃ میں ابن ماجہ کے حوالہ سے یہ حدیث مروی ہے جسے خود ابن ماجہ نے ”باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان“ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اذا كانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلہا وصوموا یومہا“ (الحديث) جب پندرہ شعبان کی رات ہو تو اس رات کو عبادت میں گزارو اور اس کے دن میں روزہ رہو۔

اس حدیث کی سند میں ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرۃ القرشی العامری المدنی ہے جسے محدثین نے واضح حدیث قرار دیا ہے۔ امام احمد و ابن معین نے فرمایا: یہ شخص حدیث گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ نیز ابن معین و بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام احمد نے اسے جھوٹا آدمی قرار دیا ہے۔ نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ ابن حبان و حاکم نے کہا: یہ شخص جھوٹی حدیثیں گھڑتا اور ثقہ راویوں کے حوالہ سے بیان کرتا۔ نیز ابن حبان نے کہا ہے کہ اس شخص کی حدیث سے دلیل پکڑنا جائز ہی نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب وغیرہ)

اصول حدیث میں ہے کہ امام بخاری جس راوی کو ”منکر الحدیث“ کہیں اس سے روایت لینا جائز ہی نہیں ہے اور ائمہ جرح و تعدیل کا کسی راوی کی بابت یہ کہنا کہ یہ متروک الحدیث ہے یا واضح الحدیث ہے یا متہم بالکذب ہے یا کذاب ہے ایسی شدید ترین جرح ہے کہ ایسے راوی کی روایت سے دلیل پکڑنا قطعاً جائز نہیں ہوتا خواہ وہ روایت فضائل اعمال ہی میں کیوں نہ ہو۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمہ اللہ محدث مبارکپوری مرعۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: یہ حدیث ۱۵ شعبان کے روزہ کے مندوب

ہونے پر دلالت کرتی ہے مگر یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے اور اباحت و ندب احکام خمسہ شرعیہ میں سے ہیں اور احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے مگر تین شرائط کے ساتھ، جب کہ اس حدیث میں وہ شرائط بھی نہیں پائے جاتے۔ (مرعاۃ طبع جدید، ۱۹۸۵ء، ۱۳۴۳ھ، ج ۴)

لہذا یہ حدیث کسی حال میں بھی قابل عمل نہیں ہے اور چونکہ یہ بدعت قرار پائی ہے اس لیے لوگوں کو ۱۵ شعبان کے دن کی فضیلت کا گمان کر کے ہرگز خاص اس دن روزہ نہ رہنا چاہئے، الا یہ کہ کوئی شخص ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کا روزہ رہتا ہو یا اس کے روزوں کے درمیان میں پڑ جائے تو رہے۔



۱۱۔ قد اظلمکم شہرٌ عظیم:

ماہ رمضان کے استقبال میں اور اس کی خصوصیات و فضائل کے ذکر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی یہ حدیث عموماً بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو خطبہ دیا۔ فرمایا: ”لوگو! تم پر ایک عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، بڑا برکت والا مہینہ ہے ایسا مہینہ جس میں ایک رات (شب قدر) ہے جو اپنے فضائل و برکات کے لحاظ سے ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس کی رات کے قیام (تراویح) کو نفل ٹھہرایا ہے۔ جس نے اس مہینہ میں کسی نیکی کے ذریعہ قرب الہی حاصل کیا وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا ہو اور جس نے اس ماہ میں ایک فرض ادا کیا وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے غیر

رمضان میں ستر فرض ادا کئے ہوں، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کا مہینہ ہے، اس میں مومن کی روزی بڑھا دی جاتی ہے، جس شخص نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا اس کے لیے یہ عمل بخشش اور جہنم سے رہائی کا ذریعہ ہوگا اور روزہ دار کے مثل اس کو ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کا ثواب کچھ کم کیا جائے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہی ثواب اس کو بھی دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو آسودہ کیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک قطعاً پیاس نہ لگے گی، اس مہینہ کا پہلا حصہ رحمت الہی کا موجب اور درمیانی حصہ باعث مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا سبب ہے اور جس نے اس ماہ میں اپنے خادم کی محنت و مشقت میں تخفیف کی اللہ اس کے گناہ بخش دے گا اور اسے جہنم سے نجات دے گا۔“

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے بعض راویوں پر جرح نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”لیس یرویٰ هذا من وجه یثبت“ یہ حدیث کسی ثابت طریق سے مروی نہیں ہے۔“

اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے جو ضعیف ہے اور اس کا شاگرد یوسف بن زیاد ہے جو اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور اس کی متابعت ایاس بن ابی ایاس نے کی ہے جو مجہول ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

مرعاة شرح مشکوٰۃ. کتاب الصوم، فصل ثالث)

مشکوٰۃ میں اوپر ذکر کی ہوئی حدیث سلمان کے بعد حضرت ابن عباس سے مروی یہ حدیث منقول ہے کہ ماہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر سائل کو عطا کرتے۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اپنی تعلیق مشکوٰۃ میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے ”اسنادہ ضعیف جدا“ اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

اور مشکوٰۃ میں اس ذکر کردہ حدیث ابن عباس کے بعد ابن عمر سے مروی یہ حدیث مذکور ہے جو رمضان کے فضائل میں عموماً بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رمضان کے لیے جنت شروع سال سے آخر سال تک سنواری جاتی ہے جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش معلیٰ کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جو جنتی درختوں کے پتوں سے لگتی ہوئی حوران بہشتی پر سے گزرتی ہے جس سے وہ بارگاہ الہی میں دعا کرنے لگتی ہیں کہ خدایا! تو اپنے بندوں میں سے ہمارے لیے خاوند مقرر فرما جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سب سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اس حدیث کی حالت بھی بڑی سقیم ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مرعاة شرح مشکوٰۃ)

رمضان کی فضیلت میں صحیح احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے۔ اس کی فضیلت بتانے کے لیے ضعیف روایات کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲- مؤذن سے ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ سن کر انگشت شہادت آنکھوں پر پھیر لینا :

بدعتیوں میں ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ سن کر انگوٹھے چوم لینا یا انگشت شہادت آنکھوں پر پھیر لینا معمول بہ ہے حالانکہ اس پر عمل کا سراغ دور سلف میں نہیں ملتا، گمان غالب ہے کہ اس پر بدعتیوں میں عمل کی بنیاد کچھ اس طرح کی روایات ہوں گی۔ مثلاً :

”مسح العينين بباطن انملتي السبابتين عند قول المؤذن: اشهد ان محمداً رسول الله)..... الخ وان من فعل ذلك حلت له شفاعته صلى الله عليه وسلم“ جب مؤذن ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ کہے تو سننے والوں کا انگشت شہادت کے باطنی حصے کو دونوں آنکھوں پر پھیر لینا ایسا کارِ ثواب ہے کہ جو شخص ایسا کرے اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

علامہ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسے دیلمی نے ”مسند الفردوس“ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی بابت محمد بن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الموضوعات“ میں لکھا ہے لایصح یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یہی بات شوکانی نے ”الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ میں اور سخاوی نے ”المقاصد الحسنۃ“ میں لکھی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ حدیث ۷۳)



۱۳- جب خطیب منبر پر چلا جائے تو نہ نماز درست ہے نہ گفتگو: علامہ البانی نے طبرانی فی الکبیر کے حوالہ سے عبداللہ عمر و بن العاص سے

مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے :

”اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ الامام“ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے اور امام منبر پر ہو تو اب نہ نماز پڑھے نہ کلام کرے یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث باطل ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ایوب بن نہیک ہے جس کی بابت ابن ابی حاتم نے ”الجرح والتعديل“ (۲۵۹/۱/۱) میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے : ایوب بن نہیک ضعیف ہے، میں نے ابو زرہ سے کہتے سنا ہے، وہ فرماتے تھے : میں ایوب بن نہیک کے طریق سے نہ حدیث بیان کرتا ہوں نہ اس کی حدیث ہم پر پیش کی جاتی ہے، وہ تو ”منکر الحديث“ ہے اور پیشی نے ”مجمع الزوائد“ (۱۸۴/۲) میں فرمایا : یہ شخص متروک ہے، جماعت محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسی لیے حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۳۲۷/۲) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن (۱۹۳/۳) میں ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اس لفظ کے ساتھ ”خروج الامام يوم الجمعة يقطع الكلام“ جمعہ کے دن امام کا منبر پر جانا کلام کو منقطع کر دیتا ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا : اس حدیث کا مرفوع بیان ہونا خطأ فاحش ہے۔ حقیقۃً یہ حضرت سعید بن المسیب کا قول ہے اور زیلعی نے بھی ”نصب الراية“ (۲۰۱/۲) میں اس کا اقرار کیا ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ میں نے (ایوب بن نہیک والی) مذکورہ بالا حدیث کو جو باطل کہا ہے اس حدیث کی سند میں ضعف کے ساتھ یہ وجہ بھی ہے کہ وہ دو صحیح حدیثوں کی مخالف ہے۔

۱۔ پہلی حدیث یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اذا جاء احدكم يوم

الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين“ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن (مسجد میں) آئے اور امام منبر پر جا چکا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے۔ اور حضرت جابرؓ ہی سے دوسری روایت میں ہے کہ سلیک غطفانی (مسجد میں) آئے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، تو آپ نے سلیک سے فرمایا: سلیک اٹھو اور ہلکی دو رکعت نماز پڑھ لو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما“ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن (مسجد میں) آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والے کو دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہئے اور وہ دونوں رکعت ہلکی پڑھے۔ (گویا دو رکعت بغیر پڑھے لیے اُسے نہ بیٹھنا چاہئے) اس حدیث کو مسلم (۱۴/۳-۱۵) وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

۲۔ دوسری حدیث (جو ایوب بن نہیک والی مذکورہ بالا حدیث کی مخالف ہے) یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اذا قلت لصاحبك“ ”انصت“ يوم الجمعة والامام يخطب فقد لغوت“ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت تم نے اپنے ساتھی سے کہا چپ رہ، تو تم نے لغو کام کیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔

پس پہلی حدیث میں صریح طور پر تاکید ہے۔ دو رکعت پڑھ لینے کی امام کے منبر پر جانے کے بعد جب کہ ایوب بن نہیک والی مذکورہ بالا حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور بعض خطباء کی یہ بڑی نادانی ہے کہ جب کوئی خطبہ کے قائم مسجد میں داخل ہوتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو بعض خطباء اسے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ ایسے خطباء اللہ تعالیٰ کی اس وعید کے مستحق نہ ہو جائیں ”أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى“^۱ اور اللہ تعالیٰ کے قول ”فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم“^۲ کے، اور اسی لیے امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ یہ نص صریح ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اور میں کسی عالم کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم صریح معلوم ہو اور پھر وہ اس کی مخالفت کرے۔

اور دوسری حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب امام منبر پر چلا جائے تو کلام ممنوع نہیں ہے، صحابہ کا عمل ہے جو عہد فاروقی میں جاری تھا۔ ثعلبہ بن ابی مالک بیان کرتے ہیں کہ لوگ باتیں کرتے رہتے تھے جب کہ حضرت عمر بن خطابؓ منبر پر بیٹھے ہوتے یہاں تک کہ موزن اذان دے کر خاموش ہو جاتا، جب عمر خطبہ دینے کے لیے منبر پر کھڑے ہو جاتے تب کوئی بات نہ کرتا یہاں تک کہ وہ دونوں خطبہ پورا کر لیتے۔ اس حدیث کو امام مالک نے اپنے موطا (۱۲۶/۱) میں اور طحاوی نے (۲۱۷/۱) میں نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی ”العلل“ (۲۰۱/۱) میں اسے ذکر کیا ہے اور پہلی دونوں کی سند صحیح ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خطیب کے صرف منبر پر چڑھتے ہی کلام ممنوع نہیں ہو جاتا ہے۔ کلام ممنوع اُس وقت ہوتا ہے جب وہ خطبہ شروع کر دے۔

(ضعیفہ حدیث ۸۷)

۱۔ کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (العلق: آیت ۹-۱۰)

۲۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ میں نہ پڑ جائیں یا ان پر دردناک عذاب آجائے۔ (النور: آیت ۶۳)

۱۴- مؤذن کی فضیلت میں وارد بعض احادیث :

مؤذن کی اور اذان دینے کی بڑی فضیلت صحیح حدیثوں میں آئی ہے لیکن اس سلسلہ میں کئی حدیثیں ترغیباً وضع کر لی گئی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کی درج ذیل احادیث یا تو موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

۱۔ ابن شاہین و تمام وابن عساکر نے محمد بن مسلمہ واسطی و موسیٰ الطویل کے طریق سے حضرت انس سے روایت کرتے ہوئے یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے :

”من اذن علی نية صادقة لا يطلب علیها اجرا حشر يوم القيامة

فاوقف علی باب الجنة فقیل له اشفع لمن شئت۔“

یعنی جو شخص سچی نیت سے بلا اجر و بلا تنخواہ اذان دے گا وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا تو شفاعت کر جس کے بارے میں تیرا جی چاہے، گویا اس کی شفاعت مقبول ہوگی علی الاطلاق بدون استثناء۔

یہ موضوع حدیث ہے اس کا راوی محمد بن مسلمہ واسطی بہت ہی ضعیف بلکہ متہم بالوضع ہے اور اس کا شیخ موسیٰ الطویل بھی سخت مجروح راوی ہے۔ اس حدیث کی بابت ابن الجوزی فرماتے ہیں: حدیث لا یصح فیہ موسیٰ الطویل کذاب قال ابن حبان: زعم انه رأى انسا، وروی عنه اشیاء موضوعة، و محمد بن مسلمة غاية فی الضعف۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس میں موسیٰ الطویل ہے جو کذاب ہے، ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ اس نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور حضرت انسؓ کے حوالہ سے اس نے کئی موضوع حدیثیں روایت کی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں محمد بن مسلمہ ہے جو غایت درجہ ضعیف ہے۔ (ضعیفہ للالبانی حدیث ۸۴۸)

۲۔ خطیب بغدادی نے ابو قیس الدمشقی عن عبادہ بن نسی عن ابی مریم السکونی عن ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کے طریق سے مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے۔

”من حافظ علی الاذان سنة وجبت له الجنة“ جس شخص نے سال بھر پابندی سے اذان دی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد خطیب نے اس پر تبصرہ کیا ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابن نمیر نے ابوقیس دمشقی کے بارے میں فرمایا: من یروی عن هذا العدو لله کذاب یضع الحدیث صلب فی الزندقة، ابن نمیر نے ابوقیس دمشقی کو جو کہ اس حدیث کا راوی ہے، دشمن خدا کذاب، واضح الحدیث اور سخت زندیق کہا ہے۔

ابوقیس دمشقی متعدد کنیت و نام سے موسوم تھا۔ یہی شخص محمد بن سعید مصلوب بھی ہے جس کو کذاب قرار دینے پر تمام علماء جرح و تعدیل کا اتفاق ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں:

”واعلم ان العلماء متفقون علی تکذیب هذا المصلوب، فقال احمد: حدیثه حدیث موضوع، وقال: عمدا كان يضع، وقال ابن حبان (۲۴۷/۲) كان يضع الحدیث علی الثقات، لا یحل ذكره الا علی وجه القدح فيه، وقال ابو احمد الحاكم: كان يضع الحدیث صلب علی الزندقة، وقال ابن الجوزی (۴۷/۱): والوضاعون خلق كثير فمن كبارهم وهب بن وهب القاضي ومحمد بن السائب الكلبي ومحمد بن سعيد الشامي المصلوب. (ضعیفہ جلد ۲، ص ۲۴۴)

یعنی علماء کا اس شخص محمد بن سعید مصلوب کی تکذیب پر اتفاق ہے۔ امام احمد

نے فرمایا: اس کی حدیث موضوع ہے، یہ عداً حدیث گھڑتا تھا۔ ابن حبان نے کہا: یہ حدیث گھڑتا تھا اور ثقہ رواۃ کے حوالہ سے بیان کرتا تھا۔ اس کا ذکر بدون جرح درست نہیں ہے، حاکم نے کہا: یہ حدیث گھڑتا تھا اور بڑا زندقہ تھا اور ابن الجوزی نے کہا: حدیثیں گھڑنے والوں کی بڑی تعداد ہے، ان میں سرغنہ قسم کے وہب بن وہب قاضی، محمد بن سائب کلبی اور محمد سعید شامی مصلوب وغیرہ تھے۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی مروی ہے جسے ابن عساکر نے محمد بن عبد اللہ بن نمران الذماری والوعمر والنعسی کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں راوی مجروح ہیں۔ ابو عمر و شراحیل بن عمرو والنعسی بہت ضعیف ہے اور اس سے روایت کرنے والا ابن نمران بھی بہت ضعیف و منکر الحدیث ہے۔ ابو زرعہ نے اس کے بارے میں فرمایا: منکر الحدیث لا یکتب حدیثہ اور ابو حاتم نے کہا: هو ضعیف الحدیث جدا۔ (ضعیفہ ج ۲، ص ۲۳۵)

۳۔ ترمذی وابن ماجہ وغیرہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

”من اذن سبع سنین محتسباً کتب اللہ له براءۃ من النار“ جس شخص نے سات سال تک حسبہ للہ اذان دی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے برأت لکھ دیتا ہے۔

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔ ایک طریق میں جابر جعفی کذاب ہے جو فاسد العقیدہ رافضی تھا۔ جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی کی وفات نہیں ہوئی ہے وہ بدلی میں ہیں اور لوٹ کر آئیں گے۔ یہ حدیثیں گھڑنے میں بہت بیباک تھا۔

اور دوسرے طریق میں محمد بن فضل ابن عطیہ ہے اسے بھی کذاب قرار دیا

گیا ہے۔ (ضعیفہ حدیث ۸۵۰)

۴۔ مؤذن کی فضیلت میں یہ حدیث بھی روایت کی جاتی ہے :

”من اذن خمس صلوات ایمانا واحتساباً^۱ غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن أم أصحابه خمس صلوات ایمانا واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه.“

جس نے نماز پنجگانہ کی اذان دی اس پر ایمان رکھتے ہوئے اور اسے باعث اجر و ثواب سمجھتے ہوئے تو اس کے گزرے ہوئے گناہ معاف کر دئے جائیں گے اسی طرح جس نے ایماناً و احتساباً اپنے اصحاب کی امامت کی اس کے گزرے ہوئے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن رستم ہیں جو متکلم فیہ ہیں۔ ابن عدی نے انہیں ”منکر الحدیث“^۲ کہا ہے۔ (ضعیفۃ لالبنانی حدیث ۸۵۱ و میزان الاعتدال)

علامہ البانی فرماتے ہیں: واعلم انه لم يات حديث صحيح في فضل المؤذن يؤذن سنين معينة الاحديث ابن عمر مرفوعاً بلفظ من اذن اثنتي عشرة سنة وجبت له الجنة، وكتب له بكل اذان ستون حسنة و بكل اقامة ثلثون حسنة“ رواه الحاكم باسنادين و صححه و وافقه الذهبي۔ یعنی جان لو کہ ایسی کوئی صحیح حدیث مؤذن کی فضیلت میں نہیں آئی ہے جس میں کچھ متعین سال تک اذان دینے پر کوئی فضیلت بتائی گئی ہو

۱۔ ایماناً ای تصدیقاً بانہ مما وعد الله عليه من الاجر والثواب، واحتساباً ای طلباً للثواب منه تعالى في الآخرة. (مرعاة ج ۲، ص ۱۹۴، طبع ۶۳ء)

۲۔ ”منکر الحدیث“ وصف فی الرجل يستحق به الترك لحديثه.

(فتح المغیث ص ۶۲)

سوائے حدیث ابن عمر کے، جو انہوں نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بارہ سال تک اذان دی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور اس کی ہر اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے بدلے تین نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے حاکم نے دو سندوں کے ساتھ اور اسے صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ (ضعیف ج ۲، ص ۲۴۶) مؤذن کی فضیلت میں علامہ البانی نے ضعیف میں اور ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات باب فی فضل المؤذنین میں کئی حدیثیں ان احادیث مذکورہ کے علاوہ بھی روایت کی ہیں مگر وہ سب متکلم فیہ روایات ہیں۔ لیکن اذان اور مؤذن کی فضیلت میں عبد اللہ بن عمر کی حدیث مذکورہ کے علاوہ بھی صحیح احادیث مروی ہیں جو مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہیں اور اذان اور مؤذن کی فضیلت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔



۱۵۔ مسواک والی نماز غیر مسواک والی سے سترگنا افضل ہے:

مسواک کی فضیلت و تاکید میں متعدد صحیح حدیثیں مروی ہیں لیکن یہ حدیث مآلوگوں کے علم میں ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے باب السواک میں شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تفضل الصلوة التي يस्ताك لها على الصلوة التي لا يस्ताك لها سبعين ضعفا.“

وہ نماز جس کے لیے مسواک کی گئی ہو سترگنا افضل ہے اس نماز سے جس کے لیے مسواک نہ کی گئی ہو۔

یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ بعض اہل علم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے نیز اسے احمد و بزار و ابویعلیٰ و ابن خزیمہ و دارقطنی و ابن عدی و ابونعیم و حاکم نے بھی نقل کیا ہے جیسا کہ صاحب مرعاة نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ البانی نے اپنی تعلیق مشکوٰۃ میں و سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعة میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کی بابت حاکم نے کہا ہے ”صحیح الاسناد علی شرط مسلم“ اور شیخ البانی لکھتے ہیں ”ووافقه الذہبی“ اور منذری نے کہا ہے ”وروی ابو نعیم نحوه عن ابن عمر باسناد جید و عن ابن عباس باسناد صحیح“ یعنی حاکم و ذہبی و منذری کے نزدیک یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر امر متحقق یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔

صاحب مرعاة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مدار محمد بن اسحاق و معاویہ بن یحییٰ الصدفی پر ہے جو اسے ”عن زہری عن عروۃ“ کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ البانی اپنی تعلیق مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: فی القلب من هذا الخبر شیء، فانی اخاف ان یکون محمد بن اسحاق لم یسمعه من ابن شہاب، دل میں اس حدیث کی بابت اطمینان نہیں ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ محمد بن اسحاق نے ابن شہاب زہری سے یہ حدیث نہ سنی ہو۔

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ محمد بن اسحاق مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے اور مدلس کی معنعن روایت مقبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ ثقہ ہو۔ کیونکہ مدلس کے

بارے میں اس کا احتمال رہتا ہے کہ اس نے جس سے یہ روایت لی ہے اس کا نام حذف کر دیا ہو اور وہ محذوف راوی نہ جانے کیسا ہو۔

بیہقی نے بھی اپنی سنن میں یہ بات ذکر کی ہے، نیز فرمایا: وقد رواه معاوية بن يحيى الصدفي عن الزهري وليس بالقوي، اس حدیث کو معاویہ بن یحییٰ صدفی نے بھی روایت کیا ہے مگر معاویہ صدفی قوی نہیں ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: معاوية بن يحيى الصدفي هالك ليس بشيء البكر صانغاني نے کہا: لا احتج معاوية بن يحيى صاحب الزهري. ساجی نے کہا: ضعيف الحديث جداً، امام احمد نے فرمایا: تركناه۔

شیخ البانی نے مسند الحارث بن ابی اسامہ کے حوالہ سے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے جس میں محمد بن عمرو اقدی ہے جو کذاب ہے۔

شیخ البانی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت عائشہ کے علاوہ ابن عباس و جابر و ابن عمر سے بھی روایت کی گئی ہے، حافظ ابن حجر نے ان سب کو التلخیص الحبیرو میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: ”واسانیدھا معلولة“ ان سب کی سندیں معلول ہیں کوئی سند علت سے خالی نہیں ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعيفة والموضوعة ج ۴، حدیث ۱۵۰۳)

اس حدیث پر علامہ ابن القیم نے المنار المنیف میں بالکل ابتداء ہی میں بحث کی ہے اور اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔

★★★

۱۶۔ گردن پر مسح کرنا:

بعض لوگ وضو میں کان و سر کے مسح کے ساتھ گردن پر بھی الگ سے مسح کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح احادیث میں وضو کا طریقہ جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے

اس میں گردن کے مسح کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

گردن کے مسح کی بابت جو یہ حدیث مروی ہے:

”من توضأ و مسح عنقه لم يغفل بالاغلال يوم القيامة“ جس نے وضو کیا اور اپنی گردن کا مسح کیا اس کی گردن میں قیامت کے دن پھندا نہ ڈالا جائے گا۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض منکر الحدیث ہیں۔ (ضعیفہ ح ۷۴۴)

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے ”مسح الرقبة امان من الغل“ گردن کا مسح گلے کے پھندے سے امان کا موجب ہوگا۔

مگر یہ حدیث بھی موضوع ہے، امام نووی ”المجموع شرح المہذب“ میں فرماتے ہیں ”هذا موضوع ليس من كلام النبي صلى الله عليه وسلم“ یہ موضوع حدیث ہے یہ رسول اللہ کا کلام نہیں ہے۔

بعض دوسرے ائمہ حدیث نے بھی اس پر تنقید کیا ہے۔ علامہ البانی ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان جیسی روایات کو ”منکر“ شمار کیا جائے گا۔ خاص کر اس صورت میں کہ غیر صحیح سند سے مروی حدیثیں ان تمام صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں جن میں وضو کی صفت بیان کی گئی ہے اور ان صحیح حدیثوں میں کہیں بھی گردن کے مسح کا ذکر نہیں ہے۔ (ضعیفہ ح ۶۹)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”لم يصح عنه في مسح العنق حديث البتة“ رسول اللہ ﷺ سے گردن کا مسح کرنا کسی بھی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے۔ (زاد المعاد ج ۱، ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الوضوء) اور صاحب عون المعبود فرماتے ہیں: ما روى في مسح الرقبة كلها

ضعاف کما صرح به غیر واحد من العلماء فلا يجوز الاحتجاج بها“ گردن کے مسح کی بابت جتنی احادیث بھی مروی ہیں سب ضعیف ہیں جیسا کہ متعدد علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ پس ان احادیث سے دلیل پکڑنا جائز نہیں ہے۔



۱۷۔ نماز فجر کا وقت :

شیخ البانی نے سلسلہ الاحادیث الضعیفة والموضوعة (حدیث ۹۵۵) میں امام بغوی کی ”شرح السنة“، ”واخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے حوالہ سے بطریق منہال بن الجراح عن عباده بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت فرمائی :

”یا معاذ اذا كان في الشتاء فجلس بالفجر واطل القراءة قدر ما يطيق الناس ولا تملهم، واذا كان الصيف فأسفر بالفجر، فان الليل قصير والناس ينامون فأمهلهم حتى يداركوا“ اے معاذ جب جاڑے کا مہینہ ہو تو فجر غلس لے میں پڑھو اور قرأت اس میں اتنی لمبی کرو جتنی لوگوں کی طاقت ہو۔ البتہ لمبی اتنی زیادہ نہ کرو کہ لوگ اکتا جائیں اور جب گرمی کا مہینہ ہو تو فجر اسفار میں پڑھو، اس لیے کہ گرمیوں میں رات چھوٹی ہوتی ہے اور لوگ سوئے

۱۔ غلس صبح کے اول تاریک وقت کو کہتے ہیں، اور اسفار صبح کا وہ وقت ہے جب کہ روشنی پھیل جائے۔ فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک ہے۔ لیکن اس کا مستحب وقت صبح صادق کا اول وقت ہے جب کہ رات کی تاریکی باقی ہو۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مرعاة المفاتیح

ہوتے ہیں تو انہیں مہلت دو کہ ذرا نیند پوری کر لیں۔

اس حدیث کو طریق مذکور سے ذکر کرنے کے بعد علامہ البانی فرماتے ہیں: یہ بہت ضعیف سند ہے بلکہ موضوع ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے کا سبب منہال بن الجراح ہے جو کہ حقیقت میں جراح بن منہال ہے یوسف بن اسباط اور محمد بن اسحاق سے یہ قلب ہوا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”لسان المیزان“ میں ذکر کیا ہے۔ اس شخص کی تضعیف پر ائمہ جرح و تعدیل متفق ہیں۔ امام بخاری و امام مسلم نے اسے ”منکر الحدیث“ کہا ہے اور نسائی و دارقطنی نے ”متروک“ کہا اور ابن حبان اس کی بابت فرماتے ہیں: کان یکذب فی الحدیث و یشرب الخمر“ یہ شخص حدیث میں کذب بیانی سے کام لیتا تھا اور شراب پیتا تھا اور برقی نے اسے متہم بالکذب راویوں میں ذکر کیا ہے۔

نیز یہ حدیث اُن بہت سی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر موسم میں فجر کی نماز غلّس میں پڑھتے تھے اور آپ کا یہ عمل آپ کی وفات تک جاری رہا۔ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصبح مرة بغلّس ثم صلی مرة اخرى فاسفر بها، ثم کانت صلاته بعد ذلک التغلیس حتی مات ولم يعد الی ان یسفر۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ غلّس میں نماز پڑھی، پھر دوسری مرتبہ (یہ بتانے کے لیے کہ فجر کا وقت اسفار تک رہتا ہے) اسفار کر کے نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ آپ غلّس میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے دوبارہ اسفار میں نماز نہیں پڑھی، اس حدیث کو ابوداؤد نے بسند حسن

روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم و خطابی و ذہبی وغیرہ نے اس کو حدیث صحیح قرار دیا ہے اور اس حدیث پر عمل رہا ہے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین میں سے جمہور اہل علم کا۔



۱۸- امامت کے حقدار کی ترتیب :

صحیح مسلم وغیرہ میں یہ حدیث صحیح موجود ہے : یَوْمَ الْقَوْمِ اقْرؤْهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَاِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمَهُمْ بِالسَّنَةِ، فَاِنْ كَانُوا فِي السَّنَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمَهُمْ هَجْرَةً، فَاِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءً فَاَكْبَرَهُمْ سِنًا، قوم کی امامت کرے وہ شخص جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہیں تو وہ امامت کرے جو ان میں سنت رسول کا زیادہ عالم ہو۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہیں تو وہ امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو (اور بعض روایتوں میں ہے پھر وہ مستحق ہے جو اسلام میں مقدم ہو) اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کا مستحق ہے جو ان میں عمر کے لحاظ سے بڑا ہو۔

صحیح روایتوں میں بس اسی قدر ہے مگر بعض غیر صحیح روایتوں میں ہے کہ اگر عمر میں سب برابر ہوں تو امامت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ خوبصورت ہو۔ چنانچہ بیہقی نے ابوزید انصاری سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے۔

”اِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلْيُؤْمَرْهُمْ اَقْرؤْهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَاِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَكْبَرَهُمْ سِنًا، فَاِنْ كَانُوا فِي السَّنَةِ سَوَاءً فَاَحْسَنَهُمْ وَجْهًا“ کہ جب تین آدمی ہوں تو ان میں امامت کا مستحق وہ ہے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو امامت کا حقدار وہ ہے جو ان میں

زیادہ عمر کا ہو اور اگر وہ سب عمر میں برابر ہوں تو امامت کا حقدار وہ ہے جو ان میں زیادہ خوبصورت ہو۔

اس حدیث کی بابت علامہ البانی کا تبصرہ ہے ”منکر لا اصل لہ“ اور علامہ البانی نے ابن حبان کا بھی یہی قول اس حدیث کی بابت نقل کیا ہے جس کی تائید علامہ ابن حجر نے بھی کی ہے اور حاکم نے بھی اسے ”خبر منکر“ کہا ہے گویا یہ حدیث مقبول نہیں مردود ہے۔ (ضعیفہ حدیث ۶۰۹)

ایک روایت ابن عدی نے ذکر کی ہے: لیؤمکم احسنکم وجہا فانہ احری ان یکون احسنکم خلقا۔ الحدیث، چاہئے تمہاری امامت کرے وہ شخص جو تم میں زیادہ خوبصورت ہو۔ توقع ہے کہ وہ تم میں زیادہ اچھے اخلاق کا ہوگا۔

مگر یہ حدیث موضوع ہے اس کی سند میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں۔ بعض مجہول ہیں اور بعض کذاب ہیں۔ (ضعیفہ حدیث ۶۰۸)

گویا امامت کے حقدار کی ترتیب بسند صحیح اسی قدر مروی ہے جو مسلم وغیرہ کے حوالہ سے سب سے اوپر والی حدیث میں بیان ہوئی اور اسی قدر کافی بھی ہے اس کے آگے یہ قول کہ اگر عمر میں سب برابر ہوں تو امامت کا حقدار وہ ہوگا جو ان میں زیادہ حسین ہو یا بقول بعض فقہائے حنفیہ پھر وہ مستحق ہے جس کی بیوی زیادہ حسین ہو، پھر وہ جس کا سر زیادہ بڑا ہو۔ پھر وہ زیادہ حقدار ہے جس کا عضو تناسل ان میں زیادہ چھوٹا ہو، بے اصل و لغو و مضحکہ خیز ہے۔

علامہ البانی فقہائے حنفیہ کے اس قول کو مراغی الفلاح کے حوالہ سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

کانہم لم یسعہم الوقوف عند الاحادیث الصحیحۃ کحدیث

ابی مسعود المتقدم آنفا. بل ولا عند الاحادیث الموضوعة والمنكرة حتى اخترعوا من آرائهم شروطا اخرى وليتها كانت معقولة وغير مستهجنة، ومن الممكن العمل بها، والا فقل لي بربك كيف يمكن معرفة "الاصغر عضوا" مع كونه اكبرهم راسا الا بالكشف عن العورات. ثم هم مع ذلك يسمون مثل هذه الآراء فقها فاللهم توفيقك وهدايتك. (ضعیف ج ۲، حاشیہ ص ۷۷)



۱۹- بابت رفع یدین و قرآنہ خلف الامام وغیرہ :

مسلمی تعصب نے بڑے بڑے گل کھلائے ہیں اور بڑے عجیب کرشمے ہیں اس تعصب مسلمی کے، کبھی اس کے سبب احادیث نبویہ میں تحریفات کی گئیں اور کبھی حمایت مسلک میں باقاعدہ حدیثیں گھڑی گئیں اور نہایت بے شرمی و ڈھٹائی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں اور اور بہت کچھ ہوا مگر یہاں اس موضوع پر کچھ لکھنا میرا مقصد نہیں، اس تعصب مسلمی کے سبب وضع کردہ بعض حدیثیں سامنے آ گئیں تو ضمناً اس کا ذکر آ گیا۔

حنفی مسلک کی رو سے نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین ہے جب کہ بہت سی صحیح احادیث سے نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی رفع یدین کا واضح ثبوت ہے۔

مامون بن احمد الہروی السلمی ایک متعصب حنفی ہے جس نے اپنے مسلک کی تائید میں متعدد حدیثیں گھڑی ہیں۔ انہیں موضوع احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے :

من رفع يديه في الصلوة فلا صلوة له“ جس نے نماز میں رفع یدین کیا اس کی نماز نہ ہوگی۔ اسے محمد بن طاہر پٹنی حنفی (۹۱۳-۹۸۶ھ) نے اپنی کتاب ”تذکرہ الموضوعات“ ص ۸۷ میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: فیہ مامون بن احمد الهروی دجال يضع الحديث“ اس کی سند میں مامون بن احمد الهروی ہے جو دجال واضح حدیث ہے۔ ابن حبان نے بھی اسے دجال کہا ہے اور ابو نعیم الاصبہانی (۳۳۱-۴۲۰ھ) نے فرمایا: خبیث وضاع، یاتی عن الثقات بالموضوعات، خبیث ہے بڑا حدیث گھڑنے والا ہے اور یہ تلبیس بھی کرتا ہے کہ ثقہ راویوں کے حوالے سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔

اس کے بارے میں یہی بات امام ذہبی نے بھی کہی ہے (ضعیفۃ للالبانی ح ۵۶۸-ومیزان الاعتدال) اسی مفہوم کی ایک موضوع روایت محمد بن عکاشہ کرمانی کے طریق سے مروی ہے۔ ملا علی قاری حنفی نے اپنی کتاب ”الموضوعات الکبریٰ“ میں وہ روایت ذکر کی ہے: ”من رفع يديه في الصلوة فسدت صلواته“ جس نے نماز میں رفع یدین کیا اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ پھر فرماتے ہیں: هذا الحديث وضعه محمد بن عكاشه الكرمانی قبحه الله“ اس حدیث کو محمد بن عکاشہ کرمانی نے گھڑا ہے اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔

محمد بن عکاشہ کرمانی کی بابت دارقطنی نے کہا کہ یہ شخص حدیث گھڑتا تھا اور امام ذہبی نے اسے کذاب کہا ہے اور ابن القیم نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ (ضعیفۃ و میزان الاعتدال)

۱۔ ملا علی قاری کی یہ کتاب مختلف نام (الموضوعات الکبریٰ، موضوعات کبیر، تذکرۃ الموضوعات) سے موسوم ہوئی ہے۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں : احادیث المنع من رفع الیدین فی الصلوة عند الركوع والرفع منه کلها باطلہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصح منها شیء (المنار المنیف) جتنی حدیثیں بھی اس مفہوم کی مروی ہیں جن میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کی ممانعت ہے وہ سب حدیثیں باطل ہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کی گئیں ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

اسی مامون بن احمد الہروی کی موضوعات میں سے یہ موضوع حدیث بھی ہے ”من قرأ خلف الامام ملی فوہ ناراً“ جس نے امام کے پیچھے (سورۃ فاتحہ) پڑھی اس کے منہ میں (قیامت کے دن) آگ بھری جائے گی۔

علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے اس موضوع حدیث کی اپنی کتاب ”تذکرۃ الموضوعات“ میں ذکر کر کے لکھا ہے : فیہ مامون بن احمد الہروی دجال یروی الموضوعات اس میں مامون بن احمد الہروی ہے جو دجال ہے، موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی ”التعلیق الممجد علی موطا محمد“ میں فرماتے ہیں : ذکرہ صاحب ”النهاية“ وغیرہ مرفوعاً بلفظ ”ففی فیہ جمرة“ ولا اصل له، اس حدیث کو صاحب النہایہ وغیرہ نے مرفوعاً بلفظ ”ففی فیہ جمرة“ ذکر کیا ہے حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نیز قرأ فاتحہ خلف الامام کی بابت فرماتے ہیں ”لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النہی عن قرأۃ الفاتحہ خلف الامام، وکل ما ذکرہ مرفوعاً فیہ اما لا اصل له واما لا یصح“ کوئی بھی صحیح مرفوع حدیث نہیں آئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا

ہو اور جتنی بھی مرفوع حدیثیں قرأۃ فاتحہ خلف الامام کی نبی میں لوگوں نے ذکر کی ہیں ان کی یا تو کوئی اصل نہیں ہے یا وہ صحیح نہیں ہیں۔

پھر علامہ لکھنوی نے اسی حدیث مذکور کو مذکورہ دونوں لفظوں (ملیٰ فوہ ناراً، وفی فیہ جمرة) کے ساتھ بطور مثال ذکر کیا ہے۔ (ضعیفۃ للالبانی ج ۵۶۹)

اسی مامون بن احمد الہروی و احمد الجویباری کے طریق سے یہ حدیث بھی مروی ہے: یكون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادريس أضرب من ابليس ویكون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفہ هو سراج امتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے محمد بن ادریس (امام شافعیؒ) کہا جائے گا وہ میری امت کے حق میں ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوگا اور میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے ابو حنیفہؒ کہا جائے گا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

اس حدیث کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب ”الموضوعات“ میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: هذا حدیث موضوع، لعن الله واضعه وهذه اللعنة لا تفوت احد الرجلین وهما مامون والجویباری، وکلاهما لا دین له ولا خیر فیہ کانا یضعان الحدیث۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اس حدیث کے گھڑنے والے پر۔ مامون و جویباری دونوں ہی بے دین و لاخیرے ہیں۔ دونوں حدیثیں گھڑتے تھے اور حاکم نے ”المدخل“ میں ذکر کیا ہے کہ مامون ہروی سے کہا گیا: تم دیکھتے نہیں امام شافعیؒ اور خراسان میں ان کے پیرو کاروں کو۔ تو اس نے چٹ سے احمد بن عبد اللہ الجویباری کے حوالہ سے مذکورہ بالا حدیث بیان کر دی۔

مامون ہروی کا یہ استاذ احمد الجوبیاری بھی نہایت ہی کذاب، واضح الحدیث و خبیث تھا۔ اس کی بابت ائمہ جرح و تعدیل کا یہ تبصرہ پڑھئے جسے امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں نقل کیا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں :

احمد بن عبد اللہ بن خالد الجوبیاری و يقال الجوباری وجوبار من عمل هراة، قال ابن عدی: كان يضع الحديث لابن كرام على ما يريده وقال ابن حبان: هو ابو علي الجوبیاری دجال من الدجاجة روى عن الائمة الوف حديث ما حدثوا بشئ منها، وقال النسائي والدار قطني: كذاب، قلت: الجوباری ممن يضرب المثل بكذبه، قال البيهقي: اما الجوبیاری فاني اعرفه حق المعرفة بوضع الاحاديث على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقد وضع عليه اكثر من ألف حديث، وسمعت الحاكم يقول: هذا كذاب خبيث وضع كثيراً في فضائل الاعمال لا تحل رواية حديثه بوجه يعني یہ شخص بہت بڑا جھوٹا اور نہایت ہی دجال و خبیث تھا۔ اس نے ہزاروں حدیثیں گھڑ ڈالی ہیں۔

اسی کی گھڑی ہوئی یہ حدیث بھی ہے ”میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جسے ابو حنیفہ کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر میری سنت کی تجدید کرے گا۔ یہ شخص حدیثیں گھڑنے میں اتنا تیز تھا کہ اس کی موجودگی میں جہاں کوئی بحث چلی فوراً کوئی حدیث اس سلسلہ میں گھڑ کر بیان کر دیتا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ ابو ہریرہ سے حسن بصری کے سماع کی بابت بحث کر رہے تھے، اس نے سنا تو ایک سلسلہ سند کے ساتھ فوراً یہ حدیث گھڑ دی کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسن بصری کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔“ (میزان)

غور فرمائیے! یہ کس قدر بے حیا شخص تھا کہ ایسی ظاہر البطلان حدیث بھی

گھڑتے اسے شرم نہ آئی۔ زمانہ نبوی میں تو حسن بصری کا وجود بھی نہ تھا پھر آپ کیسے فرمائیں گے کہ حسن بصری کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔
 حضرت حسن بصری رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دس سال بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال قبل ۲۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔



۲۰۔ بعد نماز سر پر ہاتھ پھیرنا :

بعض لوگ نماز سے فارغ ہوتے ہی داہنا ہاتھ سر پر رکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح یہ عمل ثابت نہیں ہے اور یہ حدیث جو مروی ہے :

”كان اذا صلى مسح بیده الیمنی علی راسه ویقول: بسم اللہ

الذی لا الہ غیرہ الرحمن الرحیم اللہم اذهب عنی الہم والحزن۔“

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اپنا داہنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرتے اور فرماتے: اللہ کے نام سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو رحمن رحیم ہے، اے اللہ! فکر و غم ہم سے دور فرما دے۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے اسے طبرانی اور خطیب نے ”کثیر بن سلیم ابو سلمہ عن انس“ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ کثیر بن سلیم کو امام بخاری ابو حاتم نے ”منکر الحدیث“ اور نسائی وازدی نے ’متروک‘ کہا ہے اور دوسرے ائمہ جرح و تعدیل نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

نیز اس روایت کو ابن السنی و ابو نعیم نے ”سلامة عن زید العمی عن معاویہ بن قرۃ عن انس“ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس سند سے یہ

روایت موضوع ہے۔ اس سند کا راوی ”سلامہ“ کذاب ہے۔ (ضعیفہ ج ۲۶۰)



۲۱- مسجد میں دنیوی باتیں :

عوام میں بلکہ بعض اہل علم حضرات میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنی مطلقاً حرام ہے۔ اگر بات معصیت کی ہو جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ، تو وہ ہر جگہ ممنوع و حرام ہے لیکن مباح گفتگو ہو تو وہ مسجد میں بھی حرام نہیں ہے الا یہ کہ وہ گفتگو شور و شغب کی صورت اختیار کر جائے اور مسجد کی بے حرمتی کا ذریعہ بنے، یا لوگوں کی نماز و تلاوت و ذکر الہی میں خلل انداز ہو۔

اور یہ حدیث جو روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”الحديث في المسجد ياكل الحسنات كما تاكل البهائم الحشيش“
کہ مسجد میں گفتگو نیکیوں کو کھا جاتی ہے جس طرح کہ جانور گھاس کھا جاتے ہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے جسے کہ امام غزالی نے احیاء العلوم (۱/۱۳۶) میں ذکر کیا ہے۔ حافظ عراقی جنہوں نے کہ اس کی تخریج کی ہے فرماتے ہیں ”لم اقف له علی اصل“ اور علامہ سبکی طبقات الشافعیہ (۴/۱۴۵-۱۴۷) میں فرماتے ہیں ”لم اجد له اسنادا“ اس حدیث کی نہ کوئی سند ہمیں ملی نہ اس کی کوئی بنیاد ملی۔

اسی لئے وہ حدیث بھی بے اصل ہے جو ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے

”الكلام المباح في المسجد ياكل الحسنات كما تاكل النار الحطب“
کہ مسجد میں جائز گفتگو بھی نیکیوں کو کھا جاتی ہے جیسے کہ آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۱، ۴۷)



۲۲- عصر کے بعد سونا :

ابن حبان نے ”خالد بن القاسم عن الليث بن سعد عن عقيل عن الزهري عن عروة عن عائشة“ کے طریق سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے۔
 ”من نام بعد العصر فاختم عقله فلا يلومنَّ الا نفسه“ جو شخص عصر کے بعد سوئے پس اس کی عقل سلب کر لی جائے تو وہ نہ ملامت کرے مگر اپنے آپ کو، گویا عصر کے بعد سونا عقل کو زائل کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اسے اپنی کتاب الموضوعات (ص ۶۹، ج ۳) میں نقل کیا ہے اور فرمایا:

”هذا حديث لا يصح، قال ابن راهويه والسعدني: خالد بن القاسم كذاب، وقال البخاري والنسائي: متروك، وقال ابن حبان: لا يحل كتب حديثه، قال المصنف (ابن الجوزي): انما هذا حديث ابن لهيعة فاخذه خالد فنسبه الى الليث“۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کے راوی خالد بن قاسم کو ائمہ جرح و تعدیل نے کذاب و متروک قرار دیا ہے۔ یہ ابن لہیعہ کی حدیث ہے جسے خالد بن القاسم نے لیا اور ابن لہیعہ کے بجائے امام لیث بن سعد کی طرف منسوب کر کے روایت کر دیا۔

علامہ سیوطی نے ”اللاالی المصنوعة“ میں حاکم وغیرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خالد ابن لہیعہ سے سنی ہوئی حدیثیں لیث بن سعد کے حوالہ سے بیان کیا کرتا تھا۔

ابن لہیعہ حفظ کی جہت سے ضعیف قرار دیئے گئے ہیں، اس لیے وہ ابن لہیعہ کی جگہ ان کے ہم عصر امام لیث بن سعد کا نام ذکر کر دیا کرتا تھا۔

یہ حدیث بعض اور طریق سے مروی ہے مگر کوئی طریق کلام سے خالی نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفۃ للالبانی، حدیث ۳۹)

امام لیث بن سعد ایک مرتبہ رمضان میں عصر کے بعد سو رہے تھے تو مروان نے کہا: یا ابا الحارث مالک تنام بعد العصر وقد حدثنا ابن لہیعہ؟ اے ابوالحارث! کیا ہو گیا ہے آپ کو کہ آپ عصر کے بعد سو رہے ہیں حالانکہ ابن لہیعہ نے عقیل عن مکحول کے طریق سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ تو امام لیث نے فرمایا: لا ادع ما ینفعنی بحديث ابن لہیعہ عن عقیل۔

میں اپنے فائدے کا کام ابن لہیعہ عن عقیل کے طریق سے مروی حدیث کے سبب نہیں چھوڑ سکتا۔ یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ضعیف حدیث کے سبب میں اپنا فائدہ کیوں ترک کروں؟

امام لیث کے اس جواب پر علامہ البانی فرماتے ہیں: امام لیث کا یہ جواب مجھے بہت پسند آیا اور بے شک یہ ان کے فقہ اور علم پر دلالت کرتا ہے اور بے شک وہ ائمہ مسلمین و فقہائے معروفین میں سے ہیں اور آج حال یہ ہے کہ میں بہت سے مشائخ کو جانتا ہوں کہ وہ اس حدیث ضعیف کے سبب عصر کے بعد سونے سے احتراز کرتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ فضائل اعمال کی حدیث ضعیف پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ ذرا دیکھو کتنا فرق ہے، فقہ سلف اور علم خلف کے درمیان۔ (ضعیفۃ للالبانی ص ۵۷، ج ۱)

۲۳۔ نماز کا فحش و منکر سے روکنا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنکر“ (پ ۲۰، العنکبوت: آیت ۲۵) بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

نماز اگر جان سمجھ کر صحیح طرح پڑھی جائے تو یہ انسان کی اصلاح و تربیت کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ ہر روز تھوڑے تھوڑے وقفے سے جو شخص اللہ کی جناب میں حاضر ہو اور جو دعائیں اور آیتیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں اسے وہ جان سمجھ کر پڑھے تو ممکن نہیں ہے کہ اس سے اس کا دل متاثر نہ ہو اور ہر روز کے پانچ پانچ بار کا یہ عمل رائگاں چلا جائے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی نماز پڑھنے والا برائیوں سے باز نہیں آتا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ اس کی نماز لا حاصل و بے فائدہ رہی۔

اس مفہوم کی بعض مرفوع اور متعدد موقوف روایات مفسرین نے مذکورہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کی ہیں جن میں ایسی لا حاصل و بے فائدہ نماز کو حقیقت میں نماز نہ ہونا قرار دیا گیا ہے۔

ان روایات میں ایک مرفوع روایت یہ ذکر کی جاتی ہے: ”من لم تنهه صلوٰتہ عن الفحشاء والمنکر فلا صلاۃ لہ“ جس کو اس کی نماز فحش اور برے کاموں سے نہ روکے تو اس کی نماز ہی نہ ہوئی۔

اس حدیث کے بارے میں علامہ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے، اس کو عمر بن ابو عثمان نے حسن بصری عن عمران بن حصین کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دو علتیں ہیں، ایک تو یہ کہ عمر بن ابو عثمان مجہول ہیں۔ دوسری علت یہ ہے کہ عمران بن حصین سے حسن بصری کا سماع ثابت ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ اگر ثابت نہیں ہے تو سند میں انقطاع ہے۔ اگر ثابت ہے تو ایک خرابی یہ ہے کہ حسن بصری روایت حدیث میں مدلس ہیں اور اس حدیث کو انہوں نے بصیغہ ”عن“ روایت کیا ہے اور مدلس کی معنعن روایت غیر مقبول ہوتی ہے اگرچہ وہ ثقہ و عادل ہی کیوں نہ ہو۔ (ضعیفہ حدیث ۹۸۵)

۲۴- جو نماز برے کاموں سے نہ روکے وہ اللہ سے دوری کا سبب بنتی ہے :

اس حدیث پر کلام ابھی گزرا جس میں مذکور ہے کہ ”جس کو اس کی فحش اور برے کاموں سے نہ روکے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی“ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسی طرح کی ایک حدیث علامہ البانی نے المعجم الكبير للطبرانی و مسند الشہاب للقضاعی و تفسیر ابن کثیر و الکواکب الدراری کے حوالہ سے یہ ذکر کی ہے :

”من لم تنهه صلواته عن الفحشاء والمنکر لم یزد من اللہ الا بُعداً۔“

جس شخص کی نماز اسے فحش اور برے کاموں سے باز نہیں رکھتی وہ نماز اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ بننے کے بجائے مزید دوری کا ذریعہ بنتی جاتی ہے۔

مگر یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے، علامہ البانی نے اس حدیث کو باطل کہا ہے اور فرماتے ہیں : یہ حدیث اگرچہ لوگوں میں مشہور ہے مگر یہ نہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے نہ متن کے اعتبار سے۔

سند کے اعتبار سے یہ حدیث ”لیث عن طاؤس عن ابن عباس“ کے طریق سے مروی ہے، اس میں لیث جو کہ ابن ابی سلیم ہیں ضعیف ہیں۔

علامہ البانی اس حدیث اور اس کے بعض اور طرق پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں : خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث کسی بھی صحیح سند سے رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی، گویا اس حدیث کا حدیث رسول ہونا ثابت نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ یہ ابن مسعود کا قول ہے اور حسن بصریؒ کا قول ہے اور ابن عباس سے بھی

یہ قول مروی ہے، اسی بناء پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے ”کتاب الایمان“ میں موقوفاً ہی ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے (ان الصلوة تنهی عن الفحشاء والمنکر، العنکبوت آیت ۴۵) کی تفسیر میں یہ سب حدیثیں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان سب حدیثوں کا موقوف ہونا ہی درست ہے، یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، حسن بصری اور قتادہ و عמש وغیرہ کے اقوال ہیں۔

اور بحیثیت متن بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بظاہر تو اس حدیث کا مصداق اس شخص کی نماز بھی ہوگی جس نے اپنی نماز ان شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کی اور شرعاً وہ نماز صحیح ادا ہوئی اب اگرچہ وہ نمازی بعض معصیت کا ارتکاب بھی کرتا رہتا ہے مگر اس کی وہ صحیح نماز قرب الہی و ثواب کا ذریعہ بننے کے بجائے اللہ سے مزید دوری کا ذریعہ کیسے بنتی رہے گی۔ یہ بات نہ عقل تسلیم کرتی ہے نہ شرعاً اس کا صحیح ثبوت ہے، اسی بناء پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس موقوف قول کی تاویل کی ہے کہ :

نماز پڑھنے کے باوجود اللہ سے مزید دوری کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ (نماز جو قرب الہی کا ذریعہ ہے) ایسے قرب الہی کا جو کام وہ کر رہا ہے اس سے زیادہ وہ نماز کے واجب کاموں کو ترک کر رہا ہو جو اللہ سے دوری کا موجب ہیں۔ (تو باوجود اس کے کہ وہ نماز کے ذریعہ قرب الہی حاصل کرتا ہے مگر اس کی بہ نسبت نماز کے متعدد واجب کاموں کے ترک کے ذریعہ وہ اس قرب کی بہ نسبت اللہ سے دوری زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح اللہ سے اس کی دوری ہی بڑھتی جاتی ہے۔)

علامہ البانی فرماتے ہیں: یہ تاویل بعید از حقیقت ہے کیونکہ نماز کے واجب

کاموں کو چھوڑنے سے حقیقت میں وہ نماز ہی صحیح نہ ہوگی اور جب وہ صحیح نماز نہ ہوئی تو اس کا وہ ثمرہ و فائدہ کیسے حاصل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنکر“ کہ نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ نیز حدیث صحیح میں آتا ہے کہ ایک شخص کے بارے میں آپ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی رات بھر نماز پڑھتا ہے اور صبح چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: اس کی نماز اس کو اس برے کام سے روک دے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس چوری کی معصیت کے سبب یہ نہیں فرمایا کہ ”لا یزداد بها الا بعدا“ کہ اس معصیت کے سبب اس کی نماز اللہ تعالیٰ سے مزید دوری کا ذریعہ بنے گی۔ بلکہ فرمایا: اس کی نماز اسے اس معصیت سے روک دے گی۔

تو معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث متن کے اعتبار سے بھی درست نہیں ہے اور سند کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو متناً و سنداً غیر صحیح ثابت کرتے ہوئے بعض اور اقوال بھی ذکر کئے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیف حدیث ۲، ص ۱۲ تا ۱۷، ج ۱)



۲۵- مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا:

نمازی کے سامنے سے گزرنا گناہ کبیرہ ہے، بخاری و مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ وہ کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے تو اسے چالیس

(دن مہینہ یا سال) کھڑے رہ جانا اس بات سے بہتر نظر آئے کہ وہ کسی نمازی کے سامنے سے گزرے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: والحديث يدل على ان المرور بين يدي المصلي من الكبائر الموجبة للنار، وظاهره عدم الفرق بين صلوة الفريضة والنافلة“ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کی سزا دخول جہنم ہے، اور نمازی فرض نماز پڑھ رہا ہو یا نفل بہر حال اس کے سامنے سے گزرنا منع ہے۔

نیز صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم بھی مروی ہے کہ کوئی نمازی کے سامنے سے گزرنا چاہے تو نمازی کو چاہئے کہ اسے روکے نہ رکے تو بشت روکے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ ایک روایت میں ہے: ”فان ابی فلیقاتله“ آپ نے فرمایا: گزرنے والا اگر نہ مانے تو اس سے قتال کرے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: انه يدافعه اولاً بما دون القتل فيبدأ بأسهل الوجوه ثم ينتقل الى الاشد فالاشد الى حد القتل پہلے اسے قتل سے کمتر طریقے سے روکے، نہ مانے تو سخت سے سخت طریقہ اختیار کرتا جائے حتیٰ کہ قتل تک کی نوبت آسکتی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳، ص ۷ ابواب السترة)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحیح احادیث کے رو سے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا شرعاً کتنا بڑا جرم ہے۔ کسی بھی صحیح روایت میں کوئی استثناء مروی نہیں ہے، البتہ درج ذیل حدیث کے سبب مسجد حرام میں نمازی کی سامنے سے گزرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی اور لوگ نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے بے تحاشا و بلا تردد گزرتے رہتے ہیں۔

کثیر بن کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ ایک مجہول واسطہ سے اپنے دادا

مطلب بن ابی وداعہ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو باب بنی سہم سے متصل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے اور آپ کے اور کعبہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔

ایک روایت میں ہے: آپ نے بیت اللہ کا سات پھیرا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم کے کنارے دو رکعت نماز پڑھی اس حال میں کہ آپ کے اور طواف کرنے والے کے درمیان کوئی حائل نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ضرور سامنے سترہ رکھتے یا گزرنے والوں کو روکتے۔

علامہ البانی حفظہ اللہ اس حدیث کی سند پر تفصیلی کلام کے بعد فرماتے ہیں کہ :

”پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث اُن صحیح احادیث کی مخالف ہے جن سے نمازی کے سامنے سترہ رکھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان صحیح احادیث کی مخالف ہے جن میں نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ لوگ آپ کے اور آپ کی سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرتے تھے یا دور سے گزرتے تھے۔“

نیز بعض صحیح روایات سے بعض صحابہ کرام کا جو عمل ثابت ہے وہ بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے جس پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ بسند صحیح ضالح بن کیسان سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور کسی کو اپنے سامنے سے گزرنے نہیں دیتے تھے۔

اور یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اپنے سامنے سترہ رکھا پھر نماز پڑھی۔ (ضعیفہ حدیث ۹۲۸ وحجة النبی للالبانی)

علامہ البانی حفظہ اللہ نے اس بحث کے ضمن میں اپنا ایک واقعہ ذکر کیا ہے اور علامہ ابن الہمام کے ایک وہم پر متنبہ کیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

علامہ البانی اپنا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ میں جب ۱۳۶۹ھ میں پہلی مرتبہ حج کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا، رات کا وقت تھا مسجد حرام میں داخل ہوا، طواف بیت اللہ کی اور طواف کے بعد والی دونوں رکعتیں پڑھنے کے لیے مقام ابراہیم کے پاس گیا اور نماز شرع کر دی۔ مگر کیفیت یہ تھی کہ طواف کرنے والے برابر میرے اور میری سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنے لگتے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق برابر انہیں روک رہا تھا۔ ایک صاحب کو میرے اس طرح روکنے پر بڑا غصہ آ گیا وہ ایک طرف کھڑے ہو گئے اور جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ پر معترض ہوئے کہ میں کیوں لوگوں کو روکتا ہوں؟ میں نے انہیں وہ احادیث سنائیں جن میں نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے اور گزرنے والوں کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: مکہ مکرمہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ انہوں نے اس کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی میں نے اسے رد کر دیا۔ بالآخر ہم دونوں میں نزاع بڑھ گئی تو میں نے کہا: چلئے علماء کرام سے رجوع کرتے ہیں۔ جب ہم دونوں اس سلسلہ میں بعض علماء سے ملے تو ان کی رائیں مختلف تھیں۔ بعض حضرات نے اسی مطلب بن ابی وداعہ کی حدیث سے مکہ کے مستثنیٰ ہونے پر استدلال کیا۔ میں نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کیا مگر ان میں سے کوئی اس حدیث کو صحیح ثابت نہ کر سکا۔

اور ابن الہمام کے وہم کی بابت علامہ البانی نے ذکر کیا ہے کہ مطلب بن ابی وداعہ والی جو روایت ابن ماجہ کے حوالہ سے پیش کی جاتی ہے اس میں ہے: ”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من سبعة جاء حتى يحاذي بالركن فصلى ركعتين.“ (الحديث)

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس روایت کو ذکر کیا ہے لیکن ”سبعہ“ کے لفظ کو انہوں نے ”سعیہ“ سمجھ لیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سعی بین الصفا والمروہ کے بعد بھی دو رکعت نماز پڑھنی مستحب ہے حالانکہ یہ بدعت ہے حدیث میں سات پھرے طواف بیت اللہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ سعی بین الصفا والمروہ کے بعد۔ (ضعیف ص ۳۲۸ ج ۲)



۲۶- نماز مغرب کے بعد نوافل کی متعین رکعات :

نماز مغرب کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہے جو بسند صحیح ثابت ہے، اس کے علاوہ نماز مغرب کے بعد کچھ متعین تعداد میں نفل نمازیں پڑھنے کی فضیلت پر مشتمل درج ذیل حدیثیں بھی مروی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔

۱۔ ”من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة“.

جس نے نماز مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں کہ ان کے مابین کوئی بری بات نہ بولا تو یہ چھ رکعتیں بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔

یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح باب السنن و فضائلہا کے فصل ثانی میں بحوالہ ترمذی حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور علامہ البانی نے

اسے اپنی ضعیفہ (ج ۱، ص ۲۸۱) میں ترمذی وابن ماجہ و قیام اللیل للمروزی و ترغیب ترہیب لابن شاہین وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من حدیث عمر بن ابی خثعم و سمعت محمد بن اسماعیل یقول ہو منکر الحدیث وضعفہ جدا۔ یہ حدیث غریب ہے صرف عمر بن ابی خثعم کے طریق سے مروی ہے اور میں نے امام بخاری کو کہتے سنا ہے کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور امام بخاری نے اسے بہت ضعیف قرار دیا ہے۔

اور علامہ ذہبی نے امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے: من قلت فیہ 'منکر الحدیث' فلا تحل رواۃ حدیثہ" میں جس کے بارے میں 'منکر الحدیث' کہوں اس کی حدیث روایت کرنی درست نہیں ہے۔ (ضعیف ج ۱ ص ۲۱۷) ابن عدی نے بھی اس شخص کو منکر الحدیث کہا ہے اور بھی دیگر ائمہ جرح و تعدیل نے اس پر سخت جرحیں کی ہیں۔ (مرعاة شرح مشکوٰۃ)

۲۔ ”من صلی ست رکعات بعد المغرب قبل ان یتکلم غفر لہ بها ذنوب خمسین سنۃ“ جس نے نماز مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں کوئی گنہگار کرنے سے پہلے تو ان چھ رکعتوں کے عوض اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں اور ابن حاتم نے اپنی کتاب العلل میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام ابو زرہ نے اس حدیث کو قابل رد و شبہ موضوع قرار دیا ہے اور محمد بن غزوٰان دمشقی (جو اس حدیث کا راوی ہے)

منکر الحدیث ہے (ضعیفہ للالبانی ج ۱ ص ۲۸۱) اور ابن حبان نے اس کے بارے میں فرمایا: لا یحل الاحتجاج به اس شخص کی حدیث سے دلیل پکڑنا درست ہی نہیں ہے۔ (مرعاة)

۳۔ من صلی بین المغرب والعشاء عشرين رکعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة، جس نے نماز مغرب وعشاء کے درمیان بیس رکعتیں پڑھیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔

اس حدیث کو ترمذی نے تعلیقاً صیغہ تمریض (وقد روی عن عائشة) سے ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن شاہین نے الترغیب والترہیب میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ یعقوب بن الولید المدائنی عن هشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشة کے طریق سے۔

منذری نے الترغیب والترہیب میں کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی یعقوب بن الولید کو امام احمد وغیرہ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ عبد اللہ نے اپنے باپ امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: خرقنا حدیثہ منذ دھرکان من الکذابين الکبار وکان یضع الحدیث۔ ہم ایک زمانہ سے اس کی حدیثیں پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں، یہ شخص بڑا جھوٹا تھا یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ ابن معین نے بھی اسے کذاب کہا ہے اور ابن حبان نے فرمایا: یضع الحدیث علی الثقات لا یحل کتب حدیثہ الا علی سبیل التعجب، یہ شخص حدیثیں گھڑتا ہے اور ثقہ راویوں کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ اس کی حدیثیں لکھنی درست ہی نہیں سوائے اس کے کہ کوئی اظہار تعجب کے طور پر اس کی کوئی حدیث ذکر کرے۔ اس کے علاوہ بھی ائمہ جرح و تعدیل سے اس کی بابت جرحیں منقول ہیں۔

(مرعاة شرح مشکوٰۃ)

علامہ البانی فرماتے ہیں: واعلم ان كل ما جاء من الاحاديث في الحظ على ركعات معينة بين المغرب والعشاء لا يصح و بعضه اشد ضعفا من بعض وانما صحت الصلاة في هذا الوقت من فعله صلى الله عليه وسلم دون تعيين عددا ما من قوله صلى الله عليه وسلم فكل ما روى عنه واه الا يجوز العمل به۔ (ضعیف ج ۱، ص ۲۸۱)

یعنی نماز مغرب و عشاء کے مابین متعین رکعات پر ابھارنے والی جتنی احادیث بھی مروی ہیں سب غیر صحیح ہیں ان میں سے بعض ضعف میں بعض سے بڑھ کر ہیں۔ اس نائم میں رسول اللہ ﷺ سے نفل پڑھنی ضرور ثابت ہے مگر کسی متعین عدد پر التزام کے بغیر، لیکن اس کی بابت آپ کے اقوال پر مشتمل جتنی حدیثیں بھی روایت کی جاتی ہیں وہ سب اس قدر ضعیف ہیں کہ ان پر عمل کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

نفل نماز بعض ممنوع اوقات کے علاوہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ سفر و حضر میں نفل نمازیں عدد و وقت کی تعیین کے بغیر بھی پڑھتے تھے اور جو چیز متعین نہ ہو اس کو متعین کرنا نیز جس کا آپ نے التزام نہ کیا ہو اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔



۲۷۔ ہر جمعہ کو ماں باپ کی قبر پر جانا :

اولاد پر ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی کے لیے قرآن و حدیث میں بڑی تاکید ہے اور اولاد پر ان کے حق میں دعائیں کرنی بھی لازم ہیں۔ ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، حقوق والدین

کی بابت قرآنی آیات کے ساتھ احادیث صحیحہ کا خاصا ذخیرہ ہے لیکن غیر صحیح احادیث سے یہ موضوع بھی خالی نہیں ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔

۱۔ مشکوٰۃ جلد اول باب زیارة القبور میں شعب الایمان للبيهقي کے حوالہ سے یہ حدیث مرسلہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من زار قبر ابويه او احدهما في كل جمعة غفر له وكتب برا“ جس نے ہر جمعہ کے دن اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی اسے بخش دیا جائے گا اور اسے ماں باپ کا وفادار و نیکو کار لکھ دیا جائے گا۔

شارح مشکوٰۃ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں میں اس حدیث کی سند پر واقف نہ ہو سکا۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور اس بارے میں جتنی حدیثیں بھی ہیں سب ضعیف ہیں اور علامہ البانی حفظہ اللہ نے اپنی تعلیق مشکوٰۃ (حدیث نمبر ۱۷۶۸) میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اسے اپنی ”سلسلة الادیث الضعیفة والموضوعة جلد اول“ میں طبرانی (فی الصغیر والاوسط) کے حوالہ سے بہ طریق ”محمد بن النعمان بن عبد الرحمن عن یحیٰ بن العلاء البجلی عن عبد الکرم ابی امیہ عن مجاهد عن ابی ہریرۃ“ مرفوعاً نقل کیا ہے۔

اس میں محمد بن النعمان مجہول ہے۔ یحیٰ بن العلاء کو میزان الاعتدال ولسان المیزان میں ’متروک‘ قرار دیا گیا ہے۔ امام کعب نے اسے ’کاذب‘ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل کا یرمک اس کی بابت ”کذاب یضع الحدیث“ کا ہے کہ یہ بڑا جھوٹا تھا، حدیث گھڑتا تھا اور ابن عدی نے اس کی احادیث کو موضوعات قرار دیا ہے اور اس کا شیخ ابو امیہ بھی ضعیف ہے۔

ضعیفہ میں اس حدیث پر مزید تعلیق ہے اور یہ حدیث کسی طریق سے بھی صحیح نہیں ہے۔ (ضعیفہ حدیث نمبر ۳۹)

۲۔ دوسری حدیث ہے :

”من زار قبر والدیه کل جمعة فقراً عندہما او عندہ (یس) غفر لہ بعدد کل اية أو حرف“ جو شخص ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر کے پاس گیا اور ان کے پاس جا کر سورۃ یس پڑھی تو اسے بخش دیا جائے گا ہر آیت یا ہر حرف کی تعداد کے برابر۔

یہ حدیث بھی موضوع ہے اور اس کی سند کا حال بھی پہلی سے بہتر نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفہ حدیث نمبر ۵۰)

علامہ البانی اس حدیث پر بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قبر پر قرأت قرآن کا استحباب ثابت ہوتا ہے، حالانکہ احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اسی بنا پر علماء متقدمین امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے بھی قبر پر قرأت قرآن کو بدعت کہا ہے۔ اگرچہ ایک روایت میں امام احمد سے عدم کراہت منقول ہے اور امام محمد سے بھی حضرت عبداللہ بن عمر کی اس حدیث کے سبب جس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس بات کی وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کی قبر پر سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھی جائیں حالانکہ ابن عمر کی طرف اس وصیت کی نسبت بسند صحیح ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو دفن کے وقت قرأت کا ثبوت ہو گا نہ کہ مطلقاً۔ پس اے بندہ مسلم سنت کو لازم پکڑو، بدعت سے اجتناب کرو، اگرچہ وہ لوگوں کی نظر میں اچھا لگتا ہو اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ضعیفہ للالبانی، ص ۶۷، ج ۱)

۲۸- مکہ و مدینہ میں رمضان کی فضیلت :

جن مقامات یا ایام یا اعمال کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے ان کی بابت عموماً غیر صحیح روایات کا بھی ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کو احادیث صحیحہ پر نہ قناعت ہوتی ہے نہ اس سے آسودگی ہوتی ہے جب تک کہ گھڑنے والے ان کی بابت مزید فضائل پر مشتمل کچھ احادیث اپنی طرف سے نہ بیان کر دیں اور بہت سے فضائل بیان کرنے والوں کو بھی تسکین نہیں ہوتی جب تک کہ غیر صحیح احادیث کے ذخیرے سے بھی کچھ نہ کچھ زیب داستاں کے لیے ذکر نہ کر دیں۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی فضیلت میں کسی کلام کی گنجائش نہ ہونے کے باوجود درج ذیل احادیث صحیحہ نہیں ہیں :

۱- ”من ادرک رمضان بمکة فصام وقام منه ما تيسر له كتب الله له مائة الف شهر رمضان فيما سواها وكتب الله له بكل يوم عتق رقبة ، و كل ليلة عتق رقبة و كل يوم حملان فرس في سبيل الله ، وفي كل يوم حسنة ، وفي كل ليلة حسنة.“

جس نے مکہ مکرمہ میں رمضان پایا اور روزہ رکھا اور قیام اللیل کیا جتنا اسے میسر ہوا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کے سوا کسی دوسرے مقام میں ایک لاکھ ماہ رمضان کے صیام و قیام کا جو ثواب ہوتا ہے وہ لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دن ایک گزرن آزا کرنے کا ثواب اور ہر رات ایک گزرن آزا کرنے کا ثواب اور ہر دن کسی غازی فی سبیل اللہ کو گھوڑے پر سوار کرنے کا ثواب اور ہر دن میں نیکی اور ہر رات میں نیکی لکھ دیتا ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے ”عن عبد الرحيم بن زيد العمي عن ابيه

عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔
 شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے اور اس کا سبب اس حدیث کا
 راوی عبد الرحیم بن زید العمی ہے اس کو یحییٰ بن معین نے ”کذاب خبیث“ اور
 نسائی نے ”لیس بثقة ولا مامون“ کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ شخص
 اپنے باپ کے حوالہ سے عجیب عجیب حدیثیں روایت کرتا ہے۔

اس حدیث کو ابن حاتم نے ”كتاب العلل“ میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا
 کہ یہ حدیث منکر ہے اور عبد الرحیم بن زید متروک الحدیث ہے۔ (ضعیفہ
 للالبانی، حدیث نمبر ۸۳۲)

۲۔ ”رمضان بالمدينة خیر من الف رمضان فیما سواها من البلدان
 وجمعة بالمدينة خیر من الف جمعة فیما سواها من البلدان“
 مدینہ منورہ کا ایک رمضان بہتر ہے اس کے سوا مقامات کے ایک ہزار
 رمضان سے اور مدینہ منورہ کا ایک جمعہ بہتر ہے اس کے سوا مقامات کے ایک ہزار
 جمعہ سے۔

شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث باطل ہے، اسے طبرانی وابن عساکر نے
 روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبد اللہ بن کثیر بن جعفر ہے جو متکلم فیہ ہے۔ امام
 ذہبی اس حدیث کو میزان الاعتدال میں ذکر کر کے فرماتے ہیں: پتہ نہیں یہ
 (عبد اللہ بن کثیر) کون شخص ہے اور یہ حدیث باطل ہے۔ اس کی اسناد تاریک
 ہے اس حدیث کو اس شخص سے روایت کرنے میں عبد اللہ بن ایوب المحرمی متفرد
 ہیں اس حدیث کو ضیاء الدین مقدسی سے اپنی کتاب ”المختارہ“ میں نقل کر کے
 اچھا نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر نے ”لسان المیزان“ میں بھی ذہبی کا یہ قول بطور تائید باقی

رکھا ہے۔

اس حدیث کو سیوطی نے ”جامع صغیر میں طبرانی اور ضیاء کے حوالے سے نقل کیا ہے جس پر مناوی نے تعاقب کیا ہے کہ پیشی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن کثیر ہے جو کہ ضعیف ہے۔

ابو نعیم نے ”اخبار اصہبان“ میں اس کی ایک شاہد ذکر کی ہے مگر اس کی سند بھی بہت سقیم ہے اور ابن عساکر نے بھی اسے ذکر کیا ہے مگر اس کی سند میں کذاب اور واضح الحدیث راوی بھی ہیں۔ البتہ ابن عساکر والی روایت میں یہ ٹکڑا بھی ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوة فی مسجدی کألف صلوة فیما سواہ الا المسجد الحرام۔“

میری مسجد (مسجد نبوی) کی ایک نماز، مسجد حرام کو مستثنیٰ کر کے باقی مساجد کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ متعدد کتب احادیث میں ہے۔)

(مذکورہ روایات پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفۃ للالبانی حدیث ۸۳۱)

۲۹- حجر اسود اللہ کا ہاتھ ہے :

حج کے موضوع پر لکھی جانے والی بعض کتابوں اور تحریروں میں حجر اسود کی فضیلت میں یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے: ”الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض یصافح بها عبادہ“ حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔

مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن بشیر کا بی بی ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ و موسیٰ بن ہارون و ابو زرہ نے جھوٹا قرار دیا ہے اور

ابن عدی و دارقطنی نے کہا ہے کہ اس شخص کا شمار ان لوگوں میں ہے جو حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔

ابن الجوزی نے اس حدیث کی بابت فرمایا: ”حدیث لا یصح“ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ابن العربی نے کہا: ”هذا حدیث باطل فلا یلتفت الیه“ یہ حدیث باطل ہے اور ناقابل التفات ہے۔

ابن فاعوس حنبلی نے اس حدیث کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے تو شیخ البانی فرماتے ہیں: جب یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے تو اس کا مفہوم بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تفسیر و تاویل کی ضرورت تو صحیح حدیثوں کے لیے ہوتی ہے، غیر ثابت روایتوں کے لیے تو بس اس کے ضعف پر تنبیہ کر دینی کافی ہے۔ (ضعیف ج ۱، ص ۲۲۳)

۳۰۔ حج اور زیارت قبر نبوی:

جو لوگ دور دراز ممالک سے حج کے لیے جاتے ہیں وہ مدینہ شریف بھی جاتے ہیں۔ ہر مسلمان کو حرمین شریفین سے عقیدت ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام ہے جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور مدینہ شریف میں مسجد نبوی ہے جس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ مدینہ شریف جا کر ہر مسلمان یہ اجر عظیم حاصل کرتا ہے اور اسی کے ضمن میں قبر نبوی کی زیارت اور تاریخ اسلام سے متعلق مدینہ میں موجود متعدد چیزوں کا دیدار اسے وہاں نصیب ہوتا ہے۔

مدینہ شریف کا سفر اگر کوئی ثواب کی نیت سے کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے ارادے سے مدینہ شریف کا سفر کرے اور وہاں جائے تو

مستحب ہے کہ قبر نبوی و مسجد قبا کی بھی زیارت کر لے، البتہ اسے یہ جاننا چاہئے کہ حج کا کوئی تعلق مدینہ شریف کے سفر سے نہیں ہے اور یہ جو حدیث آتی ہے کہ: من حج البيت ولم يزرني فقد جفانی“ جس نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے اعراض کیا۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسے حافظ ذہبی و صغانی و زرکشی و ابن الجوزی و شوکانی سب نے موضوع قرار دیا ہے۔

اسی طرح یہ حدیث بھی موضوع ہے: ”من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زار فی حیاتی“ جس نے حج کیا پھر (مدینہ شریف جا کر) میرے قبر کی زیارت کی میری موت کے بعد تو اس نے گویا میری زیارت کی میری زندگی میں اور زیارت قبر نبوی سے متعلق یہ حدیث بھی موضوع ہے: ”من زارنی و زار ابی ابراہیم فی عام واحد دخل الجنة“ جس نے ایک سال کے اندر میری اور میرے باپ ابراہیم کی زیارت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ اور اس طرح کی سب حدیثیں غیر ثابت ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: زیارت قبر نبوی سے متعلق اس طرح کی سب حدیثیں ضعیف ہیں اور ان احادیث کو انہیں حضرات نے روایت کیا ہے جو ضعیف روایات نقل کرتے ہیں جیسے دارقطنی و بزار وغیرہ۔ (ضعیف ج ۱، حدیث نمبر ۲۴۵ تا ۲۷۷)

اور حافظ عقیلی نے کہا ”لا یصح فی هذا الباب شیء“ اس بارے میں کوئی بھی بات صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ نیز شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ زیارت قبر نبوی سے متعلق ان مرویات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”فهذه الاحادیث واشباهها لم یثبت منها شیء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ یہ حدیثیں اور اس موضوع کی اس جیسی دوسری حدیثیں کوئی بھی

رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

(التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزیارة علی ضوء الكتاب والسنة، ص ۱۱۷)



۳۱۔ قربانی کی فضیلت میں احادیث مرویہ :

لوگوں میں یہ حدیث بہت شہرت پا چکی ہے جو عام طور پر عید قرباں کے مہینے میں قربانی کی فضیلت و مناسبت سے تقریر و تحریر میں ذکر کی جاتی ہے، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! ما هذه الاضاحی؟ اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں جو کی جاتی ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سنة ابيکم ابراهیم علیہ السلام، تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے سوال کیا: فما لنا فیہا یا رسول اللہ؟ پھر ہم کو اس میں کیا ملے گا اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: بکل شعرة حسنة، ہر بال کے عوض ایک نیکی، صحابہ نے کہا، بھیڑ کے اون کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بکل شعرة من الصوف حسنة، اون کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث کو احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے نیز اسے بیہقی و حاکم وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے مگر حافظ منذری الترغیب والترہیب میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

رواه ابن ماجة والحاكم وغيرهما كلهم عن عائذ الله عن ابي داؤد عن زيد بن ارقم وقال الحاكم صحيح الاسناد، بل واهيه عائذ الله هو المجاشعي و ابو داؤد هو نفيع بن الحارث الاعمى وكلا

ہما ساقط۔

منذری نے حاکم کے اس دعویٰ کو کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ صحیح الاسناد نہیں بلکہ واہی الاسناد ہے۔ اس کی سند میں عائذ اللہ المجاشعی اور ابو داؤد نفعی بن الحارث الاعمی ہیں جو دونوں ساقط الاعتبار ہیں۔

امام ذہبی نے بھی حاکم کے اس دعویٰ کو رد کر دیا ہے۔ عائذ اللہ کے بارے میں امام ذہبی نے ابو حاتم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور ابو داؤد نفعی بن الحارث کی بابت امام ذہبی فرماتے ہیں: یضح، اور ابن حبان فرماتے ہیں: لا تجوز الروایة عنه، کہ یہ شخص حدیثیں گھڑتا ہے، اس سے روایت لینی جائز ہی نہیں ہے۔

(مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب فی الاضحیۃ ح ۲۳)

و ضعیفة للالبابی، ح ۵۲۷ ج ۲)

قربانی ہی کی فضیلت میں یہ حدیث بھی بہت بیان کی جاتی ہے کہ:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما عمل ابن ادم من عمل يوم النحر احب الى الله من اوراق الدم۔ الحدیث۔ عید قرباں کے دن انسان کا سب سے محبوب عمل اللہ کے نزدیک قربانی کرنا ہے، وہ آئے گا قیامت کے دن قربانی کئے ہوئے جانور کی سینگوں، بالوں اور کھڑوں کے ساتھ، اور بے شک قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا مقام پالیتا ہے، لہذا لوگو! خوشی خوشی قربانی کرو۔

اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ و حاکم و بیہقی نے اور بغوی نے بھی شرح السنہ

میں روایت کیا ہے اور ان سب کی روایت ابو المثنیٰ سلیمان بن یزید عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کے طریق سے ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے، مگر امام ذہبی نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا ہے کہ: قلت: سلیمان واہ و بعضہم ترکہ، اور منذری نے حاکم کا رد کرتے ہوئے الترغیب والترہیب میں فرمایا: رووہ کلہم من طریق ابی المثنیٰ و هو واہ وقد وثق اور بغوی نے کہا: ضعفہ ابو حاتم جدا اور امام بخاری نے فرمایا: ہو حدیث مرسل لم یسمع ابو المثنیٰ من ہشام بن عروہ، غرض یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور مرسل بھی۔

(مرعاة المفاتیح باب الاضحية حدیث ۱۸، وضعیفۃ للالبانی حدیث ۵۲۶)

ابن العربی نے اپنی شرح ترمذی میں فرمایا ہے: لیس فی فضل الاضحية حدیث صحیح۔ قربانی کی فضیلت میں کوئی بھی حدیث صحیح مروی نہیں ہے۔

ابن العربی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد صاحب مرعاة فرماتے ہیں: قلت الامر كما قال ابن العربی واللہ تعالیٰ اعلم، صورت حال وہی ہے جو ابن العربی نے فرمایا ہے۔ (مرعاة باب الاضحية)

البتہ آنحضور ﷺ کا یہ فرمان بسند صحیح مروی ہے: ”ما من ایام العمل الصالح احب الی اللہ فیہن من ہذہ الايام“ یعنی عشر ذی الحجۃ، قالوا: ولا الجہاد فی سبیل اللہ؟ قال: ”ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجلا خرج بنفسه و ماله ثم لم یرجع من ذلک بشئ“ (بخاری)

یعنی عشرہ ذی الحجہ میں نیک عمل اللہ کو سب دن سے زیادہ محبوب ہیں، لوگوں نے کہا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی

نہیں مگر یہ کہ کوئی راہ خدا میں جان و مال لے کر گیا اور کچھ لے کر نہ لوٹا۔



قربانی کی فضیلت میں کچھ اور حدیثیں :

قربانی کی فضیلت میں یہ حدیثیں بھی مروی ہیں :

”عظموا ضحایاکم فانہا علی الصراط مطایکم“ اپنے قربانی کرنے والے جانوروں کی عظمت کا خیال رکھو، بے شک وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گے۔

ایک روایت میں ”عظموا“ کے بجائے ”استفرہوا“ ہے یعنی عمدہ جانور کی قربانی کرو۔

لیکن یہ دونوں روایتیں غیر ثابت ہیں۔ پہلی روایت کی بابت علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں، ہذا حدیث غیر معروف ولا ثابت، یہ حدیث محدثین کے نزدیک نہ معروف ہے نہ ثابت ہے اور دوسری حدیث کی بابت شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے۔ (ضعیف ج ۱ حدیث نمبر ۷۴)

”من ضحی طیبۃ بہا نفسہ محتسبا لا ضحیتہ کانت لہ حجابا من النار“ جس شخص نے خوش دلی سے رضائے الہی کی خاطر کارِ ثواب سمجھتے ہوئے قربانی کی اس کے لیے قربانی جہنم سے اوٹ بن جائے گی۔

یہ حدیث موضوع ہے پیشی نے مجمع الزوائد میں اسے طبرانی فی الکبیر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن عمرو نخعی ہے جو کذاب ہے اور ابن حبان نے اس کے بارے میں فرمایا۔ یہ بظاہر نیک آدمی تھا مگر جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ (ضعیفہ للالبانی ج ۲، حدیث ۵۲۹)

قربانی کی فضیلت میں مروی احادیث جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کلام سے خالی نہیں ہیں مگر قربانی کی مشروعیت و اہمیت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ بعض کبار صحابہ کے علاوہ ائمہ اسلام میں سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، عطاء، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور، ابن المنذر، ابو یوسف، محمد، داؤد ظاہری، بخاری و ابن حزم و اکثر اہل علم رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کرنی سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمد نے فرمایا: قدرت کے باوجود قربانی نہ کرنی مکروہ ہے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ قربانی کرنی واجب ہے اور امام محمد اسے ایسی سنت قرار دیتے ہیں جس کو ترک کرنے کی رخصت نہیں ہے اور طحاوی بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: جو مقیم ہو اور نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام مالک، اوزاعی ربیعۃ الرائے اور لیث نے بھی صاحب قدرت پر واجب قرار دیا ہے، ان لوگوں نے مقیم کی شرط نہیں لگائی ہے۔

علامہ شوکانی بھی وجوب کے قائل ہیں وہ اپنی کتاب ”السیل الجرار“ میں وجوب قربانی کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وبهذا تعرف ان الحق ما قاله الاقلون من كونها واجبة ولكن هذا الوجوب مقيد بالسعة فمن لا سعة له لا اضحية عليه، یعنی ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کم تعداد اہل علم نے جو کہا ہے کہ قربانی کرنی واجب ہے تو یہی حق ہے مگر قربانی بشرط گنجائش و قدرت واجب ہے۔ پس جس شخص کو قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہو اس پر قربانی کرنی واجب نہیں ہے۔ (مرعاۃ)

۳۲۔ غیبت کا ناقض وضو و نماز ہونا :

علامہ البانی حفظہ اللہ نے ”اخبار اصہبان لابی نعیم“ کے حوالہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”الغیبة تنقض الوضوء والصلوة“ غیبت ناقض وضو بھی ہے اور ناقض نماز بھی۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی ”اسماعیل بن یحیٰ بن عبد اللہ ابو یحیٰ التمیمی“ ہے جو کذاب و وضاع ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ شخص امام مالک و سفیان ثوری جیسے اکابر کے حوالے سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا اور حاکم نے کہا ہے کہ اس شخص نے امام مالک و مسعد و ابن ابی ذئب کے حوالہ سے موضوع حدیثیں راویت کی ہیں۔

اس حدیث کی سند میں راوی مذکور اسماعیل کا شاگرد ”سہل بن صقیہ“ ہے جس کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ واضع حدیث ہے۔

(ضعیفہ حدیث نمبر ۸۳۵)

اس موضوع حدیث پر تفصیلی تبصرہ کے بعد علامہ البانی فرماتے ہیں: مشکوٰۃ (حدیث ۴۸۷۳) میں شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے ابن عباس سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی، دونوں روزہ دار تھے جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں اپنا وضو اور اپنی نماز لوٹاؤ اور اپنے روزہ کی بھی قضا کر لینا۔ ان دونوں نے کہا: کیوں اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: تم دونوں نے فلاں کی غیبت کی۔

گویا غیبت کے سبب نہ وضو باقی رہا نہ نماز ہوئی۔ نہ روزہ صحیح ہوا۔ غیبت ناقض وضو بھی قرار پائی اور ناقض صوم و صلوٰۃ بھی۔

شیخ البانی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: میں اب تک اس حدیث کی سند سے واقف نہ ہو سکا کہ اس کی سند کیسی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ یہ حدیث صحیح ہوگی۔ (ضعیفہ ج ۲، ص ۲۳۴)

علامہ البانی کا اندازہ صحیح ہے شعب الایمان للبیہقی والی اس حدیث کی سند میں ثنیٰ بن بکر ہے (ج ۱۲ ص ۱۱۷ طبع الدار السلفیہ بیروت) جو مجہول ہے اور بقول دارقطنی متروک ہے۔ (لسان المیزان) یہی حدیث خرائطی نے ”مساوی الاخلاق“ (ص ۱۰۳ طبع جدہ) میں اسی ثنیٰ بن بکر کے طریق سے نقل کی ہے۔ اس کی سند میں ایک اور راوی احمد بن محمد بن غالب بھی ہے جو متروک ہے۔

بہر حال یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی جو مرفوع حدیثیں غیبت کے ناقض وضو نماز و روزہ ہونے سے متعلق وارد ہیں وہ سب سخت ضعیف یا موضوع ہیں۔ البتہ بعض صحابہ و تابعین کے آثار اس باب میں بسند صحیح یا حسن مروی ہیں اور انہیں زجر و توبیخ پر محمول کیا جائے گا۔ ان کی بنیاد پر غیبت کو ناقض وضو نماز و روزہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔



۳۳- جمعہ کے دن سفر میں نکلنا:

بہت سے لوگ جمعہ کے دن سفر میں نکلنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ غالباً وہ سوچتے ہیں کہ جمعہ کو سفر میں نکلیں گے تو نماز جمعہ چھوٹ جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کو بعض سہولتیں اپنے فضل و کرم سے عطا کی ہیں۔ ان میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ مسافر سے نماز جمعہ کی فرضیت ساقط کر دی ہے۔ اگر وہ سفر

میں نماز جمعہ پا جائے تو پڑھ لے ورنہ ظہر کی نماز دو رکعت بطور قصر پڑھ لے۔
ممکن ہے بعض حضرات کے علم میں یہ ذیل کی دونوں حدیثیں ہوں جس کے سبب وہ جمعہ کے دن سفر میں نکلنے کو ناپسند کرتے ہوں۔

۱۔ دارقطنی نے ”الافراد“ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے: من سافر من دار اقامته يوم الجمعة دعت عليه الملائكة ان لا يصحب في سفره، جو شخص اپنے گھر سے جمعہ کے دن سفر میں نکلتا ہے اس کے حق میں فرشتے بددعا کرتے ہیں کہ اس کو سفر میں کوئی ساتھی نہ ملے۔

۲۔ اور خطیب نے ”كتاب اسماء الرواة عن مالک“ میں ”حسین بن علوان عن مالک عن زهري عن ابی سلمه عن ابی هريره“ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے ”من سافر يوم الجمعة دعا عليه ملكاه ان لا يصحب في سفره ولا تقضى له حاجة“ جو شخص جمعہ کے دن سفر کرتا ہے اس پر اس کے دونوں فرشتے (کراماً کا تبیین) بددعا کرتے ہیں کہ اس شخص کو سفر میں کوئی ساتھی نہ ملے اور نہ اس کی ضرورت پوری ہو۔

مگر پہلی روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو اپنے سوء حفظ کے سبب ضعیف قرار دئے گئے ہیں اور دوسری روایت موضوع ہے اس کی سند میں حسین بن علوان کو یحییٰ بن معین نے جھوٹا قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اس کی طرف وضع حدیث کی نسبت کی ہے۔

اس کے برخلاف مروی ہے سعید بن منصور سے کہ ابو عبیدہ نے جمعہ کے دن سفر کیا اور نماز جمعہ کا انتظار نہیں کیا اور نقل کیا ہے ابو داؤد نے مراسل میں اور ابن ابی شیبہ نے زہری سے کہ امام زہری نے جمعہ کے دن صبح سفر میں نکلنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے انہیں ٹوکا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن سفر میں

نکلے ہیں۔

اور بیہوشی نے اسود بن قیس عن ابیہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سفر کی ہیئت میں دیکھا جو کہہ رہا تھا: اگر آج جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں سفر میں نکلتا۔ حضرت عمر نے اس سے فرمایا: جاؤ سفر میں جمعہ کسی کو سفر میں نکلنے سے نہیں روکتا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اسے امام شافعی نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ (اس بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں: نیل الاوطار ج ۳، حکم من سافر يوم الجمعة، وسلسلة الاحادیث الضعيفة والموضوعة ج ۱، حدیث نمبر ۲۱۸-۲۱۹)



۳۴- پیادہ سفر حج کی فضیلت:

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ پیادہ سفر حج کیا جائے تو حج کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور ان کے اس خیال کی بنیاد درج ذیل حدیثیں ہیں:

۱۔ طبرانی نے ”الکبیر“ (۲/۱۶۵/۳) میں اور ضیاء مقدسی نے ”المختارہ“ (۲/۲۰۴) میں بطریق یحییٰ بن سلیم عن محمد بن مسلم الطائفی عن اسماعیل بن امیہ عن سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان للحاج الراكب بكل خطوة يخطوها راحلته سبعين حسنة، والماشي بكل خطوة يخطوها سبع مائة حسنة“ بے شک سواری پر سفر حج کرنے والے کو سواری کے ہر قدم کے عوض ستر نیکی ملتی ہے اور پیدل سفر حج

کرنے والے کو ہر قدم کے عوض سات سو نیکی ملتی ہے۔

مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں: ہو ضعیف لا تقوم بہ حجة (حجة النبی للالبانی) ضعیف حدیث ہے قابل حجت نہیں ہے۔

اس کی سند میں یحییٰ بن سلیم اور محمد بن مسلم طائفی دو ضعیف راوی ہیں جن کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے نیز اس کی سند میں اور متن میں بھی اضطراب ہے۔ (تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفہ للالبانی ج ۲۹۶ ح)

۲۔ دوسری حدیث ہے جسے طبرانی نے ”الاوسط“ (۱/۱۱۱-۱۱۲) میں محمد بن المحصن العکاشی عن ابراہیم بن ابی عبیلہ عن عبد الواحد بن قیس کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، فرمایا: للماشی اجر سبعین حجة وللراکب ثلاثین حجة ”پا پیادہ حج کرنے والے کو ستر حج کا ثواب ملتا ہے اور سواری پر حج کرنے والے کو تیس حج کا ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے، اس کا راوی محمد بن محصن العکاشی جو حقیقت میں محمد بن اسحاق بن ابراہیم ہے اور اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے واضح الحدیث و کذاب ہے۔ اسے یحییٰ بن معین و ابو حاتم نے کذاب اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور ابن حبان و دارقطنی نے اسے واضح حدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے فرمایا: شیخ یضع الحدیث علی الثقات لایحل ذکرہ الا علی سبیل القدح فیہ اور دارقطنی نے فرمایا: متروک یضع (تہذیب التہذیب) یعنی یہ شخص ثقہ راویوں کے حوالے سے حدیث گھڑتا تھا اس کا ذکر ہی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس پر جرح مقصود ہو۔ نیز یہ متروک واضح حدیث راوی ہے۔

۳۔ تیسری حدیث ہے :

”من حج من مكة ما شيا حتى يرجع الى مكة كتب الله له بكل خطوة سبع مائة حسنة، كل حسنة مثل حسنات الحرم، قيل: وما حسنات الحرم؟ قال: لكل حسنة مائة الف حسنة.“

اخرجه الطبرانی فی ”الکبیر“ (۱/۱۶۹/۳) وفی ”الایوسط“ (۲/۱۱۲/۱) والدولابی فی ”الکنی“ (۱۳/۲) والحاکم (۴۶۱/۱) والبیہقی (۷۸/۱۰) من طریق عیسیٰ بن سوادۃ عن اسماعیل بن ابی خالد عن زاذان عن ابن عباس مرفوعاً، وقال الطبرانی: لم يروه عن اسماعیل الا عیسیٰ۔

جس نے مکہ سے پیدل جا کر حج کیا اور پاپا پیادہ ہی مکہ واپس ہوا تو اس کے لیے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ سات سو نیکیاں لکھتا ہے جن میں سے ہر نیکی حسناتِ حرم کے برابر ہوتی ہے، دریافت کیا گیا: حسناتِ حرم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حسناتِ حرم والی ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ گویا مکہ سے پیدل جا کر حج کرنے والے کو سات کروڑ نیکیاں ملتی ہیں۔

مگر یہ حدیث بہت ضعیف ہے اگرچہ بعض حضرات نے اسے صحیح کہا ہے، اس حدیث کا راوی عیسیٰ بن سوادہ بہت ضعیف ہے۔ اسے ابو حاتم و امام بخاری نے ”منکر الحدیث“ اور یحییٰ بن معین نے ”کذاب“ کہا ہے اور امام بخاری جسے ”مسکر الحدیث“ کہتے ہیں، اس سے روایت لینی جائز نہیں ہوتی۔

اس کی ایک متابع ہے مگر اس کی حالت بھی سقیم ہے۔ (ملاحظہ ہو: ضعیفہ

للالبانی حدیث ۴۹۵)

القصر مختصر پاپیادہ سفر حج کی افضلیت کے ثبوت پر مشتمل یہ سب روایتیں

ضعیف نا قابل احتجاج ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیدل سفر حج کرنا افضل ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ نے سواری پر سفر حج فرمایا۔ اگر پا پیادہ سفر حج افضل ہوتا تو اللہ رب العالمین اپنے نبی کے لیے پا پیادہ ہی سفر حج پسند فرماتا اور آپ اسی کو اختیار فرماتے مگر آپ نے سواری پر حج کیا اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کا اختیار فرمایا ہوا طریقہ ہی افضل و بہتر ہے۔ اسی بنا پر جمہور علماء کے نزدیک سواری پر سفر حج کرنا افضل ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”قال مالک والشافعی وجمہور العلماء الركوب افضل اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم ولانه اعون له على وظائف مناسكه ولانه اكثر نفقة. وقال داؤد: ماشيا افضل لمشقته، وهذا فاسد لان المشقة ليست مطلوبة.“ (نووی شرح مسلم باب حجة النبی، ص ۳۹۵ ج ۱ طبع ہند)

یعنی امام مالک و شافعی و جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ سواری پر سفر حج کرنا افضل ہے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اور اس لیے بھی کہ سواری ادائیگی حج میں معاون ہوتی ہے، نیز اس سے راہ خدا میں زیادہ خرچ کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور داؤد ظاہری نے کہا ہے کہ پا پیادہ سفر حج افضل ہے کیوں کہ پا پیادہ سفر کرنے میں تکلیف و مشقت زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ نذر فاسد ہے کیونکہ مشقت تو (عند اللہ) کوئی مطلوب شے نہیں ہے۔



۳۵۔ جس نے استخارہ کیا نا کام نہ ہوا:

بہت سی روایتیں ہیں جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے درست معلوم ہوتی ہیں اور اہل علم انہیں بیان بھی کرتے ہیں مگر چونکہ ان کا فرمودہ رسول ہونا ثابت نہیں

ہے اس لیے بحیثیت حدیث رسول ان کا بیان فرمانا درست بھی نہیں۔ انہیں روایتوں میں سے یہ درج ذیل حدیث بھی ہے:

طبرانی نے ”المعجم الصغیر“ میں عبد القدوس بن عبد السلام بن عبد القدوس عن ابیہ عن جدہ عبد القدوس بن حبیب عن الحسن عن انس کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ما خاب من استخار، ولا ندم من استشار، ولا عال من اقتصد“ جس نے استخارہ کر کے کوئی کام کیا وہ ناکام نہیں ہوا اور جس نے مشورہ سے کوئی کام کیا وہ شرمندہ نہ ہوا اور جس نے خرچ میں میانہ روی اختیار کی وہ محتاج و پریشانی نہ ہوا۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ طبرانی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: لم یروہ عن الحسن الا عبد القدوس تفرد بہ ولده عنه، اس حدیث کو صرف عبد القدوس بن حبیب نے حسن بصری کے حوالہ سے روایت کیا ہے اور عبد القدوس سے اس حدیث کو روایت کرنے میں اس کا بیٹا عبد السلام مفرد ہے اور یہ دونوں مجروح راوی ہیں، عبد القدوس کذاب ہے اور اس کا بیٹا مہتم بالوضع ہے۔ (ضعیفۃ للالبانی حدیث ۶۱۱)



۳۶- بابت سخی و بخیل :

تمام رازی نے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”شاب سفیہ سخی احب الی من شیخ بخیل عابد، ان السخی قریب من اللہ، قریب من الجنة بعید من النار، وان البخیل بعید من الجنة قریب من النار“ ناسمجھ نوجوان سخی میرے نزدیک بوڑھے عبادت گزار

بخیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ بے شک بخیل قریب ہے اللہ سے، قریب ہے جنت سے، بعید ہے جہنم سے، اور بے شک بخیل بعید ہے جنت سے قریب ہے جہنم سے۔

یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو جعفر محمد زکریا بن دینار الغلابی البصری ہے جسے ذہبی اور سیوطی نے متہم بالکذب لکھا ہے اور دارقطنی نے اسے واضح الحدیث قرار دیا ہے۔

(ضعیفہ ج ۲ ص ۱۰۱ و میزان الاعتدال للذہبی فی ترجمته)
اسی محمد بن زکریا الغلابی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم من اللہ عزو جل لا یدخل الجنة بخیل“ اللہ عز و جل کی طرف سے قسم ہے کہ بخیل جنت میں نہ داخل ہوگا۔

اسے تمام وابن عساکر نے نقل کیا ہے۔ ابن عساکر اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، غریب جدا والغلابی ضعیف، اس پر شیخ البانی فرماتے ہیں: قلت بل موضوع والغلابی یضع الحدیث کما قال الدارقطنی، یعنی یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن زکریا الغلابی واضح الحدیث ہے، نیز اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو بکر الہذلی ہے جو بہت ضعیف ہے۔ (ضعیفہ حدیث ۶۷۳)



۳۷۔ عربیت تم میں سے کسی کی ماں ہے نہ باپ :

اسی ابو بکر الہذلی کے طریق سے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا۔ ایک دفعہ قیس بن مطاطیہ

(منافق) ایک مجلس میں پہنچا جس میں سلمان فارسی، صہیب رومی اور بلال حبشی بیٹھے ہوئے تھے اور کہنے لگا کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں نے اگر پیغمبر اسلام کی حمایت کی تو تعجب نہیں، مگر یہ حمایت کرنے والے لوگ ان کے کیا لگتے ہیں؟ مطلب یہ کہ حبشیوں رومیوں اور فارسیوں کو تو رسول اللہ ﷺ کی قومیت سے تعلق بھی نہیں ہے پھر یہ کیوں ان کی حمایت کرتے ہیں؟ حضرت معاذ بن جبل نے یہ بات سنی تو قیس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ جب آپ نے یہ واقعہ سنا تو بے حد غضب ناک ہوئے اور لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا:

”یا ایہا الناس ان الرب واحد، والاب واحد، ولیست العربیة باحدکم من أب ولا أم، وانما هی اللسان، فمن تکلم بالعربیة فهو عربی“

”اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے، عربیت تم میں سے کسی کی نہ ماں ہے نہ باپ، وہ ایک زبان ہے جو شخص عربی بولتا ہے وہ عرب ہے۔“

حضرت معاذ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ اس منافق کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: اسے دوزخ کے لیے چھوڑ دو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو فتنہ ارتداد پھیلا اسی میں یہ منافق بھی مرتد ہو کر قتل کیا گیا۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو بہت ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا راوی ابو بکر الہذلی بہت ضعیف ہے، اسے دارقطنی و نسائی وغیرہ نے متروک کہا ہے اور محمد بن جعفر غندر نے اسے کاذب قرار دیا ہے، نیز اس میں بعض دوسری علتیں بھی ہیں۔ (ضعیفہ حدیث ۹۲۶)

۳۸- عرب سے محبت کا حکم :

حاکم نے مستدرک و معرفة علوم الحديث میں اور عقیلی نے ضعفاء میں اور طبرانی نے کبیر و اوسط میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور بعض دوسرے مصنفین نے اپنی مصنفات میں مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے :

”احبو العرب لثلاث: لانى عربى، والقران عربى، وکلام اهل الجنة عربى“ عرب سے محبت کرو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن بھی عربی ہے اور کلام اہل الجنة بھی عربی ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع ہے ان جمیع مصنفین نے اس حدیث کو جس سند سے ذکر کیا ہے۔ اس میں علاء بن عمرو الحنفی ہے جسے ذہبی نے میزان الاعتدال میں متروک کہا ہے اور ابن حبان کا اس کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ: ”لایجوز الا احتجاج به بحال“ اس شخص کی حدیث سے دلیل پکڑنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، نیز اس حدیث کو عقیلی کے طریق سے ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ ابو حاتم نے اسے جھوٹی حدیث قرار دیا ہے۔

اس شخص کی بابت اور بھی دوسرے ائمہ جرح و تعدیل کے ریمارکس ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں اس کا شیخ بھی متکلم فیہ ہے اور بھی اس سند میں بعض دوسری علتیں ہیں جن کو تفصیل سے علامہ البانی نے اپنی ضعیفہ میں ذکر کیا ہے۔ (حدیث ۱۶۰)

اس حدیث مذکور کی ایک شاہد ذکر کی جاتی ہے جسے طبرانی نے اوسط میں مرفوعاً روایت کیا ہے :

”انا عربى، والقران عربى، ولسان اهل الجنة عربى“ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو بھی موضوع کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عبد العزیز بن عمران ہے جسے یثمی و نسائی وغیرہ نے ”متروک“ اور ابن معین نے ”لیس بثقة“ کہا ہے اور امام بخاری نے اس کی بابت فرمایا ہے ”لا یکتب حدیثہ“۔

نیز اس حدیث کی سند میں اس کا استاذ شبل بن العلاء بن عبد الرحمن بھی متکلم فیہ ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفہ للالبانی حدیث ۱۶۱)

علامہ البانی حفظہ اللہ ان دونوں حدیثوں پر تفصیلی تبصرہ کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس حدیث کی نسبت صحیح نہ ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اس میں اپنے عربی ہونے پر فخر پایا جاتا ہے حالانکہ یہ چیز شرع اسلامی میں غیر معروف و شئی غریب ہے اور اللہ و رسول کے فرمودات سے یہ میل نہیں کھاتی۔ ۷

۷ حدیثیں گھڑنے والوں نے حب و بغض کی بنا پر بھی بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں چنانچہ یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے جسے حافظ ابو عبد اللہ الجورقانی نے اپنی کتاب ’الاباطیل والمناکیر‘ میں ”باب فی الکلام بالفارسیہ“ کے تحت اسماعیل بن زیاد عن غالب القطان عن المقبری عن ابی ہریرہ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابغض الکلام الی اللہ تعالیٰ الفارسیہ، و کلام الشیاطین الخوزیہ، و کلام اهل النار البخاریہ، و کلام اهل الجنة العربیہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بغض و ناپسندیدہ کلام فارسی ہے اور شیاطین کا کلام خوزی ہے اور جہنمیوں کا کلام بخاری ہے اور اہل جنت کا کلام عربی ہے۔ حافظ جورقانی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع باطل ہے اس کی کوئی اصل کلام رسول سے نہیں ہے نہ ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، نہ مقبری نے اسے روایت کی ہے، نہ غالب قطان نے اسے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث اسماعیل بن زیاد کی موضوعات میں سے ہے۔ یہ شخص نہایت وضاع و کذاب تھا۔ اس شخص کا تو کتابوں میں ذکر ہی جائز نہیں ہے الا یہ کہ علی اسمیل الطعن اس کا ذکر کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ (الحجرات: ۱۳) تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے ”لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی“ (رواہ احمد بسند صحیح) کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر، نیز رسول اللہ ﷺ نے فخر بالآباء کو امر جاہلیت قرار دیتے ہوئے اس سے باز رہنے کی شدید تاکید فرمائی ہے اور اس کے ارتکاب پر جہنم کی اور ذلت و خواری کی سزا سنائی ہے۔



۳۹- مومن کا جوٹھا شفا ہے :

بعض جگہ عوام الناس میں یہ بات معروف ہے کہ مومن کا جوٹھا باعث شفا ہے اور اس کا سبب غالباً یہ روایت ہے ”سور المؤمن شفاء“ حالانکہ اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔ شیخ احمد الغزالی العامری اپنی کتاب ”الجد الحثیث“ میں فرماتے ہیں ”لیس بحديث“ یہ حدیث نہیں ہے اور یہی بات شیخ عجلونی نے ”کشف الحفاء“ میں کہی ہے۔

اسی مفہوم کی ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ ”مومن کے وضو کا بچا ہوا پانی پی لینے میں ہر بیماری کی شفا ہے جس میں ادنیٰ درجہ کی بیماری غم ہے۔ مگر یہ بھی موضوع روایت ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱، ح ۷۸)



۴۰- اتقوا مواضع التہم :

تہمت کی جگہوں سے بچو! ایسی جگہ نہ جاؤ جہاں جانا تمہیں مطعون و متہم کر دے یہ بات بذات خود بہت صحیح ہے مگر اس کا حدیث رسول ہونا ثابت نہیں ہے۔

حالانکہ یہ جملہ حدیث رسول کی حیثیت سے مشہور ہے جسے کہ امام غزالی نے احیاء العلوم (۳/۳۱) میں ذکر کیا ہے، حافظ عراقی جنہوں نے کہ اس کی تخریج کی ہے کہا ہے ”لم اجد له اصلاً“ اور یہی بات سبکی نے طبقات میں کہی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۱، ح ۱۱۳)



۴۱- احادیث بابت پڑوس کی حد:

پڑوس کا بڑا حق ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں یہ روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل پڑوسی کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک کی تاکید و تلقین اس قدر فرماتے رہے کہ مجھے گمان ہوا وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے، نیز آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتا، وہ مومن نہیں ہو سکتا، جس کی ایذا سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے۔ اور فرمایا: جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

اور حکم دیا کہ گھر پر گوشت وغیرہ کچھ پکایا جائے تو پڑوسیوں کو بھی پہنچا دیا جائے اگرچہ مختصر ہی سہی۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پڑوس کی حد کیا ہے اور کتنی دور تک کے لوگ پڑوسی قرار پائیں گے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے درج ذیل فرمودات ذکر کئے جاتے ہیں۔

- ۱۔ ”اوصانی جبرئیل علیہ السلام بالجار الی اربعین داراً، عشرة من هاهنا، وعشرة من هاهنا، وعشرة من هاهنا، وعشرة من هاهنا“ جبریل نے مجھے وصیت کی پڑوسی کا حق ادا کرنے کی چالیس گھر تک، دس گھر دائیں دس گھر بائیں، دس گھر آگے دس گھر پیچھے۔

۲۔ کعب بن مالک سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے بنی فلاں کے محلہ میں سکونت اختیار کی ہے تو جو پڑوسی مجھ سے جتنے ہی قریب ہیں وہ اتنا ہی زیادہ مجھے ستاتے ہیں۔ تو آپ نے ابو بکر و عمرو علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکار دیں کہ ”الا ان اربعین دار اجوار ولا یدخل الجنة من خاف جارہ بوائقہ“ خبردار! بے شک چالیس گھر تک پڑوس ہے اور وہ جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے شر و فساد سے اس کا پڑوسی خائف ہو۔ امام زہری سے پوچھا گیا، چالیس گھر سے کیا مراد ہے تو انہوں نے کہا: چالیس گھر اس طرف، چالیس گھر اس طرف

۳۔ ”حق الجوار الی اربعین داراً، وھکذا وھکذا وھکذا یمیناً وشمالاً وقدام و خلف“ حق جوار چالیس گھر تک، ہے اور اسی طرح اور اسی طرح (یعنی چالیس گھر) دائیں (چالیس گھر) بائیں اور (اسی طرح) آگے پیچھے

۴۔ ”الساکن من اربعین دارا جار“ چالیس گھروں میں سے ہر گھر کا باشندہ پڑوسی ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس گھر تک کے لوگوں کو پڑوسی قرار دیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ سے پڑوس کی تحدید کرنا ثابت نہیں ہے۔

شیخ البانی حفظہ اللہ نے ان سب روایات پر مفصل کلام کیا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں:

”کل ما جاء تحديده عنه صلى الله عليه وسلم ضعيف لا يصح، فالظاهر ان الصواب تحديده بالعرف“ پڑوس کی تحدید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے جتنی حدیثیں بھی بیان کی جاتی ہیں سب

ضعیف ہیں۔ آپ سے پڑوسی کی تحدید ثابت نہیں ہے۔ بس عرف عام میں جس قدر لوگ پڑوسی سمجھے جاتے ہوں وہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۱، حدیث ۲۷۴ تا ۲۷۷)



۴۲- بابت مال حرام:

مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال میں درج ذیل حدیث بایں طور مروی ہے:

عن ابن عمر قال من اشترى ثوبا با بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالى له صلاة ما دام عليه ثم ادخل اصبعيه في اذنيه وقال صمتا ان لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم سمعته بقوله، رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان وقال اسناده ضعيف.

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: جس نے کوئی کپڑا دس درہم میں خریدا اس حال میں کہ اس میں ایک درہم بھی حرام تھا تو اس ایک حرام درہم کے سبب وہ کپڑا جب تک اس کے جسم پر رہے گا تب تک کی پڑھی ہوئی کوئی بھی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ اس حدیث کو بیان کر کے حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالیں اور فرمایا: یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی زبان سے میں نے نہ سنی ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے شعب الايمان میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے کہا: اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة میں اس حدیث کو ابو العباس الاصم وابن ابی الدنيا و ضیاء و احمد

وخطیب و ابن عساکر کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اسے ”ضعیف جدا“ کہا ہے کہ یہ بہت ہی ضعیف حدیث ہے اور اس کا مدار ’ہاشم الاوقص‘ پر ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے ”ضال غیر ثقہ“ یہ شخص گمراہ ہے ثقہ نہیں ہے اور اس حدیث کی سند میں اضطراب بھی ہے۔ (ضعیف حدیث ۸۴۴)



۴۳۔ فاسق و فاجر کی برائی بیان کرنے کی شرعی حیثیت :

عقیلی بیہقی ابن عدی اور خطیب وغیرہ نے جارود بن یزید عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے یہ حدیث اپنی بعض کتابوں میں ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”اترعون عن ذکر الفاجر؟ اذکروہ بما فیہ یحذرہ الناس“ کیا تم فاجر کے ذکر سے پرہیز کرتے ہو؟ فاجر کے اندر جو برائی اور فسق و فجور ہے اسے لوگوں سے ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے بچ کے رہیں۔

شیخ البانی فرماتے ہیں : یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی پوری سند ہی مخدوش ہے اور جارود بن یزید کی بابت تو شدید جرحیں ہیں۔ اس کی بابت عقیلی نے کہا ”متروک الحدیث لانہ یکذب ویضع الحدیث“ یہ شخص متروک الحدیث ہے کیونکہ جھوٹ بولتا ہے اور حدیث گھڑتا ہے۔ ابو حاتم نے اسے ”کذاب“ اور امام بخاری نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔ ابواسامہ بھی اس کی طرف کذب کی نسبت کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے اس حدیث کو باعتبار توابع و شواہد حسن کہا ہے مگر یہ تحسین درست نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو : ضعیفہ للالبانی حدیث ۵۸۳)

یہ حدیث جعد بہ بن یحییٰ لیشی عن علاء بن بشر عن سفیان عن

بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے ”لیس لفاسق غیبیہ“ فاسق و فاجر کی برائی بیان کی جائے تو یہ غیبت نہ ہوگی، مگر یہ حدیث بھی باطل ہے اس کی سند بھی بہت ضعیف ہے اس میں جعد بہ بہت مجروح راوی ہے۔ یہ حدیث بعض اور طریق سے بھی مروی ہے مگر کوئی طریق جرح شدید سے محفوظ نہیں ہے۔ شیخ البانی نے ”المنار المنیف لابن القیم“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دارقطنی اور خطیب نے کہا ہے کہ یہ حدیث چند طرق سے مروی ہے اور وہ باطل ہے۔ (ضعیف حدیث ۵۸۴)

فاسق کے بارے میں یہ حدیث بھی روایت کی جاتی ہے :

”اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش“ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے اور اس سے عرش ہل جاتا ہے۔ مگر یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے علامہ البانی نے اسے منکر کہا ہے۔ اس حدیث کو ابوالشیخ نے ”العوالی“ اور خطیب نے اپنی تاریخ اور ابن ابی الدنیانے اپنی کتاب ”ذم الغیبیہ“ میں ابو خلف خادم انس عن انس بن مالک کے طریق سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

ابو خلف کو یحییٰ نے ”کذاب“ اور ابو حاتم نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کو ”خبر منکر“ کہا ہے۔

نہ غیبت علی الاطلاق درست ہے نہ تعریف علی الاطلاق ممنوع ہے خواہ وہ فاسق کی ہو یا غیر فاسق کی۔ غیبت بعض حالتوں میں فاسق غیر فاسق سب کی جائز ہے اور تعریف بھی بعض حالتوں میں جائز ہے۔ غیبت کے مواقع جواز و عدم جواز کے لیے ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن تفسیر سورۃ حجرات حاشیہ نمبر ۲۶۔

۴۴- زیادہ کھانے سے احتراز کی بابت بعض احادیث :

زیادہ کھانا، بار بار کھاتے رہنا اور آسودگی کی حالت میں بھی کھانے سے احتراز نہ کرنا یقیناً صحت کے لیے مضر بھی ہے اور نامناسب بھی۔ اس سلسلہ میں شرعی اور طبی ہدایات بھی ہیں اور اصحاب دانش و بینش کے فرمودات بھی، لیکن اس سلسلہ میں عہد رسالت کی بعض خود ساختہ حکایات یا غیروں کے فرمودات یا خود ساختہ اقوال بحیثیت حدیث رسول بیان کر دیئے گئے ہیں جن کا فرمودہ رسول ہونا ثابت نہیں ہے اور ان اقوال کو حدیث رسول کی حیثیت سے بیان نہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ کی بعض احادیث جن کا حدیث رسول ہونا ثابت نہیں ہے، میں علامہ البانی حفظہ اللہ کی ”سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة“ سے مختصراً ذیل میں درج کر رہا ہوں :

۱۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: عائشہ! فضول خرچی سے بچو۔ ایک دن میں دو مرتبہ کھانا فضول خرچی ہے۔ (ضعیفہ حدیث نمبر ۲۵۷)

منذری نے ”التروغیب و الترهیب“ میں ذرا تفصیل سے یہ حدیث نقل کی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

”عائشہ! کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ کھانے کے سوا بھی تمہارا کوئی مشغلہ ہو؟ ایک دن میں دو مرتبہ کھانا فضول خرچی ہے اور اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کو بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں۔ امام بیہقی نے خود اس حدیث کو

ضعیف کہا ہے اور شیخ البانی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (لان ابن لہیعہ مع کونہ صدوقا کان ضعیفا من قبل حفظہ) ضعیفہ حدیث نمبر ۲۵۷۔

۲۔ علامہ البانی نے ابن ماجہ و ابن ابی الدنیا (فی کتاب الجوع) و ابو نعیم (فی الحلیہ) کے حوالہ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ”یہ بھی فضول خرچی ہے کہ جو دل چاہے کھانے لگو“ علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ (ضعیفہ حدیث نمبر ۲۴۱)

۳۔ یہ حدیث بھی بے اصل ہے: کم ہنسو اور کم کھاؤ اس سے تمہارا دل زندہ رہے گا۔ (ضعیفہ حدیث نمبر ۲۴۲)

۴۔ اور یہ حدیث بھی غیر ثابت ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے افضل مرتبہ والا وہ ہوگا جو جتنے لمبے عرصہ تک دنیا میں بھوکا رہا اور فکر الہی میں ڈوبا رہا اور اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا مرتبہ والا وہ ہوگا جو بہت سوتا اور بہت کھاتا اور بہت پیتا رہا۔ (ضعیفہ حدیث ۲۴۳)

۵۔ اور یہ حدیث بھی بے بنیاد ہے کہ: آسودگی کی حالت میں کھانا برص کی بیماری پیدا کرتا ہے۔ (ضعیفہ حدیث ۲۴۶)

۶۔ اور یہ حدیث بھی باطل و بے اصل ہے کہ ”اپنے نفس سے جہاد کرو، بھوک اور پیاس کے بارے میں (یعنی نفس کھانا چاہے مگر نہ کھاؤ اور پیاس لگے مگر نہ پیو) تو اس جہاد پر بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل بھوکا و پیاسا رہنا ہے۔“ (ضعیفہ ح ۲۴۷)

۷۔ اور یہ حدیث بھی بے اصل ہے کہ: ”ساری نیکیوں کا سردار بھوکا رہنا ہے اور نفس کو دبانے کا ذریعہ موٹا جھوٹا کپڑا پہننا ہے۔“ (ضعیفہ ح ۲۴۸)

۸۔ نیز یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ: ”فکر نصف عبادت ہے اور کم کھانا اصل عبادت

ہے۔“ (ضعیفہ ۲۳۹)

۹۔ اور یہ حدیث بھی غلط ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ جب دوپہر کا کھانا کھاتے تو شام کا کھانا نہ کھاتے اور جب شام کا کھانا کھاتے تو دوپہر کا کھانا نہ کھاتے۔“ (ضعیفہ ۲۵۰)

۱۰۔ اور یہ حدیث بھی بے اصل ہے کہ: ”جو اپنے کو بھوکا رکھتا ہے اس کے غور و فکر کا مادہ بڑھ جاتا ہے اور اس کا دل سوچھ بوجھ والا ہو جاتا ہے۔“ (ضعیفہ ۲۵۱)

انہیں دس احادیث پر بس کرتا ہوں ورنہ اس طرح کی احادیث اور بھی ہیں جو غیر ثابت و بے اصل ہیں اور لگ بھگ اسی طرح کی باتوں پر مشتمل ہیں۔



۳۵۔ دل رنجور اللہ کو محبوب ہے :

انسان کو ہمیشہ اپنی عاقبت و آخرت کی فکر کرنی اور اس کے لیے متفکر رہنا نیز ہر قول و عمل میں اس کا خیال رکھنا کہ آخرت میں اللہ کے سامنے اس کا جواب دینا ہے نہ صرف یہ کہ مستحسن ہے بلکہ ضروری ہے لیکن ہر وقت غم آخرت کو اپنے اوپر اس طرح طاری کئے رہنا کہ آدمی کبھی خوش نظر نہ آئے۔ کسی کے ساتھ خوش دلی کے ساتھ نہ مل سکے مزاج و خوش مزاجی اس کی زندگی سے یکسر مفقود ہو جائے، یہ نہ اللہ کو مطلوب ہے نہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، آپ ہمارے سامنے جب آخرت اور جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے (یعنی غم آخرت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے) اور جب ہم آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنے بال بچوں اور دوستوں کی مجلس میں ہوتے ہیں تو دل کی وہ کیفیت نہیں

رہ جاتی، ان کے ساتھ ہنستے بولتے اور خوش مزاجیاں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا: حَظْلہ! ہر چیز کا ایک وقت اور ایک موقع ہوتا ہے۔ (کبھی فکر آخرت میں رونے اور ڈوبے رہنے کا اور کبھی خوش و غم رہنے اور ہنسنے بولنے کا)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاحب کو دیکھا کہ بہت مضحل سے بنے ہوئے چل رہے ہیں، پوچھا انہیں کیا ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ قُرَاء میں سے ہیں (یعنی قرآن پڑھنے پڑھانے والوں اور عقلمندی کے لیے فکر مند رہنے والوں میں سے ہیں) تو حضرت عائشہ نے یہ سن کر فرمایا: عمر سید القراء تھے مگر ان کا حال یہ نہ تھا کہ مضحل بنے ہوئے رہیں۔ ان کا تو یہ حال تھا کہ جب چلتے تو قاعدے سے چلتے جب بولتے تو قوت کے ساتھ بولتے اور جب پیٹتے تو خوب پیٹتے تھے۔

لیکن ارباب تصوف و خانقاہیت کی نظر میں یہ امر مستحسن ہوتا ہے اور بعض جہلاء پر تدین کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتے ہیں کہ آدمی ہر وقت فکر آخرت میں ڈوبا رہے اور اس کے لیے ہمیشہ فکر مند و رنجور رہے اور ہمہ دم اضطحال کی کیفیت اپنے اوپر طاری کئے رہے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی روایت کی جاتی ہے:

”ان الله يحب كل قلب حزين“ اللہ تعالیٰ ہر دل رنجور کو محبوب رکھتا

ہے۔

شیخ البانی حفظہ اللہ نے ابن ابی الدنیا، ابن عدی، قضاعی، ابن عساکر اور حاکم وغیرہ کے حوالوں سے بہ طریق ابی بکر بن ابی مریم عن ضمرة بن حبیب عن ابی الدرداء مرفوعاً یہ حدیث اپنی ضعیفہ میں ذکر کی ہے اور اس حدیث پر ان کا تبصرہ ہے ”ضعیف جدا“ یہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی ابو بکر بن ابی مریم بہت ضعیف ہے اور سند میں انقطاع بھی ہے۔ ضمہ بن حبیب اور ابو

الدرء کے درمیان تقریباً سو سال کا وقفہ ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے مگر امام ذہبی نے مذکورہ وجوہ کے سبب ان کی تصحیح کو رد کر دیا ہے۔ (تصحیح حاکم کی حقیقت ص ۱۲۷ کے حاشیہ میں پڑھئے)۔

اور پیشی نے بزار و طبرانی کے حوالہ سے یہ حدیث مجمع الزوائد میں ذکر کی ہے اور ان کی سند کو حسن کہا ہے حالانکہ خود پیشی نے بھی ایک دوسری حدیث کے ضمن میں ابو بکر مذکور کو ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ البانی نے ایک اور سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے مگر اسے بھی بہت ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ سند میں کئی راوی مسلسل ساقط ہیں۔

(ضعیفہ حدیث ۲۸۳)

علیٰ کل حال یہ بات نہ روایت صحیح ہے نہ عقلاً کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر وقت غمگین و رنجور دیکھنا پسند کرتا ہو۔



۴۶۔ قلیل و کثیر زرعی پیداوار میں زکوٰۃ :

زرعی پیداوار اور پھلوں کا نصاب صحیح احادیث کی رو سے پانچ وسق (تقریباً ۷۵۰ کلو گرام) ہے اگر کسی کے یہاں اس مقدار سے کم غلہ کی کوئی جنس پیدا ہوئی ہو یا زکوٰۃ والے پھل اس مقدار سے کم کسی کے یہاں ہوئے ہوں تو ان میں صحیح احادیث کی بنا پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، یہی جمہور اہل علم کا مسلک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں مشہور شاگرد امام ابو یوسف و امام محمدؒ بھی اس کے قائل ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور بعض اہل علم کے نزدیک پیداوار کم ہو یا زیادہ اس میں بہر حال زکوٰۃ ہے۔ ان کے نزدیک زرعی پیداوار اور پھلوں میں کوئی نصاب نہیں اور نہ اس میں کم زیادہ پیداوار اور امیر و غریب کی کوئی شرط ہے۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ اجمعین اپنے پاس موجود دلائل کی بنیاد پر کسی بات کے قائل ہوئے مگر جب بھی کوئی حدیث صحیح و دلیل صحیح انہیں اپنے قول کے خلاف مل گئی تو انہوں نے بلا تردد اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ مگر جب ائمہ دین کے ناموں پر امت محمدیہ مختلف خانوں اور فرقوں میں بٹی تو پھر اپنے اپنے اماموں کے اقوال و مسالک کو حرف آخر و مسلک مختار قرار دینے والے اسے ہر حال میں درست ثابت کرنے کے درپے ہوئے، پھر اس سلسلہ میں انہیں بڑی عجیب و نادر و جساتیں کرنی پڑیں کبھی اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے حدیثیں گھڑی گئیں۔ کبھی تاویلات بے جا سے کام لیا گیا، کبھی ان مسائل کو سامنے رکھ کر کچھ من مانے قواعد وضع کئے گئے۔ حتیٰ کہ ان مسالک کے بعض متعصب ”اکابر“ نے بھی حدیث میں بلکہ قرآن تک میں تحریف و تلویس اور حذف و اضافہ تک کی جرأت کر ڈالی۔

شاید میری یہ بات بعض حضرات کو گراں گزرے مگر یہ ایک حقیقت ہے جسے آپ ملاحظہ فرمانا چاہیں تو احادیث ضعیفہ و موضوعہ پر ایک نظر ڈال لیں اور اس موضوع پر جو بعض کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعہ کی زحمت فرمائیں یا کم از کم شیخ بکر بن عبداللہ البوزید کی ”تحریف النصوص من مآخذ اهل الهواء فی الاستدلال“ اور علامہ عبدالرحمن معلیٰ کی ”التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل“ دیکھ ڈالیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔

اپنے امام یا مقتدا یا استاذ کے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اسی طرح کی ایک حرکت کرنے پر مندرجہ بالا سطور ضمناً رقم ہو گئے۔ مجھے یہاں ایک موضوع حدیث ذکر کرنی مقصود تھی اور اس طرح کی موضوع و ضعیف حدیثیں بہت نظر کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں۔

حافظ زیلیعی حنفی نے ”نصب الراية فی تخریج احادیث الهدایة“

میں بطریق ابو مطیع البلخی عن ابی حنیفہ عن ابان بن ابی عیاش عن رجل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”یہ حدیث ذکر کی ہے۔

”فیما سقت السماء العشر، وفيما سقى بنضح او غروب نصف العشر فى قليله وكثيره“ جس کھیت کو بارش نے سیراب کیا ہو اس کی پیداوار میں عشر ہے اور جسے خود کسی ذریعہ سے سیراب کرنا پڑا ہو اس میں نصف عشر ہے پیداوار کم ہو یا زیادہ۔

”فی قليله وكثيره“ (پیداوار کم ہو یا زیادہ) کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابو مطیع بلخی کے بارے میں (جس کا نام حکم بن عبد اللہ ہے اور جس کا شمار امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں ہے) ابو حاتم نے کہا ہے ”کان کذابا“ ابو مطیع بلخی بڑا جھوٹا تھا اور جو رقانی نے کہا ہے: ”کان من رؤساء المرجئة ممن يضع الحديث“ یہ شخص مرجیہ کے سرغنہ لوگوں میں سے تھا اور حدیث گھڑتا تھا۔ دوسرے ائمہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن معین نے اس کے بارے میں کہا: ”لیس بشئ“ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ”لا ینبغی ان یروی حدیثہ“ اور ابو داؤد نے کہا ”ترکوا حدیثہ“ اور امام ذہبی نے اسے واضح الحدیث کہا ہے۔

علامہ البانی نے حدیث مذکور کی سند پر کلام کے بعد فرمایا کہ اس حدیث کے کذب پر صحیح بخاری کی وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے عبد اللہ بن عمر کے حوالہ سے بغیر ”فی قليله وكثيره“ کے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے، لہذا یہ اضافہ باطل ہے اور اس اضافے کے بطلان کو وہ حدیث مزید واضح کر دیتی ہے جو صحیحین وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: پانچ وقت سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ (ضعیف حدیث ۴۶۳)

ان صحیح احادیث کے علی الرغم اس شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حدیث میں ”فی قلیلہ و کثیرہ“ کا ٹکڑا اپنی طرف سے بڑھا کر اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دینے کی جسارت کی۔
فالعیاذ باللہ۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ ایمان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی، جبکہ دوسرے ائمہ کرام ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ اسی شخص مذکور ابو مطیع بلخی نے اس بارے میں بھی ایک حدیث وضع کر دی ہے کہ جب وفد ثقیف رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو وفد نے کہا کہ ہم آپ سے یہ پوچھنے آئے ہیں کہ ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایمان دل میں ٹھوس پہاڑوں کی طرح پیوست ہوتا ہے ایمان کا کم و بیش ہونا کفر ہے۔

امام ذہبی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس حدیث کو وضع کرنے کی نسبت اسی ابو مطیع بلخی کی طرف کی ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ضعیفۃ للالبانی حدیث ۴۶۴)



۴۷۔ علماء سب سے اچھے سب سے برے :

ملت اسلامیہ میں علماء دین کی حیثیت مقتدی، پیشوا، رہنما و راہبر کی ہے لوگ ان کی رہنمائی سے اپنے لیے راہ کی تعیین کرتے ہیں اور مسائل دین و مراحل حیات میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے ملت کے بناؤ بگاڑ میں ان کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور انہیں بہت سوجھ بوجھ کی اور بہت محتاط روش اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا شمار بہت جلیل القدر صحابہ میں تھا جو

عشرہ مبشرہ میں سے تھے (ان دس جلیل القدر صحابہ میں سے جنہیں خاص طور پر جنتی ہونے کی بشارت دینا ہی میں دے دی گئی تھی) اور جن کا شمار السابقون الاولون میں تھا، جو چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اور طلحہ الفیاض کے لقب سے معروف ہوئے تھے، ایک بار سفر حج میں امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت طلحہ کے احرام کا کپڑا رنگا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے زعفران میں رنگا ہوا سمجھا جس رنگ میں رنگا ہوا کپڑا حالت احرام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، تو حضرت طلحہ کے قریب آئے اور فرمایا: طلحہ! یہ آپ نے کیسا رنگا ہوا کپڑا پہن رکھا ہے۔ حضرت طلحہ نے فرمایا: امیر المومنین! یہ ایک طرح کی مٹی سے رنگا ہوا ہے۔ (یہ زعفران کا رنگ نہیں ہے) حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ لوگ ائمہ ہدایت و مقتدائے قوم ہیں۔ آپ سے لوگوں کو مسائل کا علم ہوتا ہے۔ اگر کوئی جاہل آدمی آپ کو اس کپڑے میں دیکھے گا اور یہ تمیز نہ کر سکے گا کہ یہ زعفران سے رنگا ہوا ہے یا مٹی سے، تو یہی سمجھے گا کہ زعفران سے رنگا ہوا کپڑا بھی احرام میں استعمال کیا جاسکتا ہے، وہ کہے گا: میں نے حضرت طلحہؓ کو اس رنگ کا کپڑا احرام میں پہنے ہوئے دیکھا ہے، تو اے رہبران قوم! آپ لوگ ایسے رنگے ہوئے کپڑوں سے اجتناب کیا کریں جس سے ناواقف لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہو۔

(موطا امام مالک کتاب المناسک لبس الثیاب المصبغة فی الاحرام)
اور غالباً حضرت سعید بن المسیبؓ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: علماء کی مثال کشتی کی سی ہے، کشتی پار ہوتی ہے تو سارے سواروں کو پار لگا دیتی ہے اور وہ ڈوبتی ہے تو سارے سواروں کو لے کر ڈوب جاتی ہے۔

اسی طرح علماء کا حال ہے اگر وہ صحیح طریقے پر قائم رہتے ہیں اور صحیح بات کی

رہنمائی کرتے ہیں تو خود بھی پار لگ جاتے ہیں اور ملت اسلامیہ کا بھی بیڑہ پار لگا دیتے ہیں لیکن علماء اگر بگڑ جاتے ہیں اور غلط طریقہ اختیار کر بیٹھتے ہیں تو ملت اسلامیہ کی گمراہی اور تباہی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس طرح خود ہلاک ہوتے ہیں اور قوم کو بھی ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

علماء کے بارے میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں جو بعض روایتیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں، انہیں آپ کی طرف نسبت کر کے بیان کرنے سے پیشتر یہ تحقیق کر لینے کی ضرورت ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت درست بھی ہے یا نہیں، مثلاً یہ حدیث بہت مشہور ہے اور مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ثالث میں منقول ہے کہ:

”احوص بن حکیم اپنے باپ حکیم بن عمیر تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے صرف شر کے بارے میں نہ پوچھو، مجھ سے خیر کے بارے میں بھی سوال کرو، آپ نے تین بار یہی جملہ دہرایا، پھر فرمایا: سنو سب سے برے، برے علماء ہیں اور سب سے اچھے اچھے علماء ہیں۔ اس حدیث کو امام دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

علامہ البانی نے اپنی تحقیق مشکوٰۃ میں اور اپنی ضعیفہ ص ۶۱۲ ج ۳ میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ احوص بن حکیم اور ان سے نیچے امام دارمی تک جتنے بھی راوی ہیں وہ سب ضعیف ہیں نیز یہ حدیث مرسل بھی ہے کیونکہ حکیم بن عمیر تابعی ہیں جنہوں نے وہ واسطہ ذکر نہیں کیا ہے جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہے اور خود حکیم بن عمیر کی بابت ”صدوق یہم“ کہا گیا ہے کہ وہ

سچے تو تھے مگر ان سے وہم ہو جاتا تھا۔ (تقریب التہذیب)

اسی طرح کی ایک روایت ابن عدی نے حفص بن عمر ابو اسمعیل کے طریق سے نقل کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف کر رہا تھا تو میں نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ تو آپ نے مجھ سے اعراض کیا۔ میں نے پھر یہی سوال کیا۔ تو آپ نے پھر اعراض فرمایا، لیکن جب تیسری مرتبہ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: برے علماء سب سے برے لوگ ہیں۔

ابن عدی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو حفص بن عمر الابلی ہی کے طریق سے جانتا ہوں اور اس کی سب حدیثیں یا تو منکر المتن ہیں یا منکر الاسناد اور یہ ضعیف سے قریب تر ہے۔ اس کے بارے میں علامہ البانی فرماتے ہیں: ابو حاتم اور ساجی نے اسے کاذب قرار دیا ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہیں جس میں خلیل بن

مرہ ہیں جو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ص ۶۱۲ ج ۳)

اسی مفہوم سے ملتی جلتی مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث بھی ہے: حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: ”لوگوں میں سب سے برا اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ میں وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے دینی فائدہ نہیں اٹھاتا“ اسے بھی امام دارمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ (کما ذکرہ

الالبانی فی تعلیقہ علی مشکوٰۃ المصابیح، ص ۸۹، ج ۱)

سیرت نبوی ﷺ کے باب میں ضعیف و موضوع روایات

کسی نے اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا

أَصِفُ الْحَبِيبَ وَلَا أَقُولُ "كَأَنَّهُ"

كَلَّا لَقَدْ اَمْسَىٰ مِنَ الْاَفْرَادِ

”میں اپنے محبوب کا وصف بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہتا کہ اس کی یہ خوبی فلاں

کی طرح ہے، یہ کہنا مجھے ہرگز گوارہ نہیں ورنہ تب تو گویا مجھے یہ تسلیم ہو جائے گا کہ میرے حبیب کی طرح کوئی اور بھی ہے۔“

تو واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توصیف و منقبت میں بھی ”كَأَنَّهُ“ کی

گنجائش نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق میں سب پر ایسی برتری عطا

فرمائی تھی کہ مجموعی اوصاف و فضائل میں کسی کو آپ کی ہمسری نصیب نہ ہوئی

اور یہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی وافی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ سے جو بے پناہ

عقیدت و محبت اہل ایمان کو ہوتی ہے اور جو تقاضائے ایمان بھی ہے وہ بعض

حلقوں میں دینی شعور کی کمی کے سبب افراط و غلو کے حدود میں داخل ہو گئی جس

سے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ بخاری کتاب الانبیاء میں ہے، آپ نے

فرمایا: ”لَا تَطْرُونِي كَمَا اطْرَتِ النَّصَارَىٰ عِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ“ مجھے میرے

مرتبے سے نہ بڑھانا جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا کہ

انہیں مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہنچا دیا اور آپ نے فرمایا تھا: ”ایاکم والغلو فی الدین فانما اہلک من کان قبلکم الغلو فی الدین“ (رواہ النسائی وابن ماجہ واحمد وصححه ابن خزیمہ) دین میں غلو سے بچنا کیونکہ غلو فی الدین نے تم سے پہلے نہ جانے کتنوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تنبیہ کے باوجود آپ کی امت بھی اسی حادثہ کا شکار ہو گئی اور اس کے ایک طبقہ نے افراط و غلو میں آپ کے فضائل و مناقب کے باب میں بہت سی حدیثوں کے وضع و اختراع تک کی جسارت کر ڈالی جب کہ آپ نے فرمایا تھا: ”من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار“ (صحیح مسلم) جس نے عمداً میری طرف کوئی بات جھوٹ منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بہت سے صفات الہیہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جوڑ دیئے اور اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو آپ کو ہی نعوذ باللہ، اللہ ورب قرار دے دیا۔ نقل کفر کفر نہ باشد، ایک شاعر نے کہا۔

محمد بہ شکل عرب آمدہ بمعنی دگر عین رب آمدہ
یعنی محمد (ﷺ) عرب کے شکل میں آئے ہیں، دوسرے معنی میں عین رب آئے ہوئے ہیں۔ عرب کے عین کو رب سے الگ کر کے پڑھئے تو عین رب ہی ہوگا۔
ایک اور شاعر نے کہا۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

نعوذ باللہ

اس طرح افراط و غلو کا شکار ہو کر اس امت کا بھی ایک طبقہ گزری ہوئی قوموں کی طرح خود بھی ہلاک ہوا اور ہو رہا ہے اور عوام کا لالچ انعام کو بھی ہلاک و

برباد کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت و فضیلت کے باب میں موضوع و باطل روایات کو جو شہرت ملی وہ پیشہ ور واعظوں اور میلاد خوانوں سے ملی۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمی محفل اور شور احسن کے لیے اس کو دلچسپ اور عوام میں فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی، اس لیے لامحالہ ان کو اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی طرح محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامینِ شاعرانہ میں اد کیا۔ سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی۔ یا بعد کو انہیں بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نثر و غیر محتاط تھے انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہِ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔ علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک گروہ واعظوں کا ہے اور سب سے بڑی مصیبت انہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام و موثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ان میں دین داری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں کا مجمع ہوتا ہے۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزی، ص ۲۴ ج ۱) چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہیں جاہلوں کا

ترتیب دیا ہوا ہے۔ (سیرۃ النبی ص ۷۲۹، ج ۳)
 اور ان جعلی روایات کے مراجع عموماً دلائل النبوة للحربی، دلائل
 النبوة لابن قتیبہ، دلائل النبوة للمستغفری، دلائل النبوة لابن نعیم
 اصفہانی والبیہقی وغیرہ اور شرف المصطفیٰ لابن سعید اصفہانی
 وطبقات ابن سعد و سیرۃ ابن اسحاق و مواہب لدنیہ و معارج النبوة
 وغیرہ وغیرہ قسم کی کتابیں ہیں۔ علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ ج ۱ میں سیرت کی کتابوں
 پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: سیرت پر سیکڑوں تصانیف موجود ہیں لیکن سب کا
 سلسلہ جا کر تین چار کتابوں پر منتهی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحق، واقدی، ابن سعد،
 طبری، ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات
 مذکور ہیں زیادہ تر ان ہی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

ان میں سے واقدی بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق
 لکھتے ہیں کہ واقدی خود اپنی طرف سے روایتیں گھڑتا تھا۔ سیرت نبوی سے متعلق
 واقدی کی دو کتابیں ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف
 جھوٹ کا انبار ہیں۔ کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ واقدی ہی کی
 تصانیف ہیں۔ ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا
 میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تو بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں اس لیے
 ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے۔ باقی رِوَاۃ میں سے
 بعض ثقہ ہیں بعض غیر ثقہ۔

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمہ ابرش وابن سلمہ وغیرہ ضعیف
 الروایۃ ہیں۔

ابن اسحاق پر امام مالک و بعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ ”جزاء القراءة“ میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں۔

حافظ زین الدین عراقی جو بڑے پایہ کے محدث ہیں سیرۃ منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روایتیں ہوتی ہیں، صحیح بھی اور غلط بھی۔

اور علامہ ابن تیمیہؒ نے کتاب التوسل میں لکھا ہے کہ ابن السنی و ابو نعیم اور اس قسم کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی حدیثیں موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا ناجائز ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

”مواہب لدنیہ“ کی بابت علامہ شبلی لکھتے ہیں: یہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔

اب ذیل میں سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر بعض روایتیں ملاحظہ فرمائیں جو صحیح نہیں ہیں مگر مشہور بہت ہیں:

۱۔ اول ما خلق اللہ نوری، رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کر دی گئی کہ آپ نے فرمایا ہے ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا“ اس روایت کی بابت سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: اس روایت کا پتہ مجھے احادیث کے دفتر میں نہیں ملا۔ (سیرۃ النبی ص ۷۳، ج ۳)

اور مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، پھر اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی۔“

علامہ البانی فرماتے ہیں: بہت کوشش کے باوجود میں اس حدیث کی سند سے واقف نہ ہو سکا، نیز اس کے برخلاف صحیح روایت میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”اول ما خلق الله القلم۔ الحدیث“ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ (رواہ الترمذی فی القدر وفی التفسیر وقال حدیث حسن غریب، وله طریق آخر عن عباده بن الصامت رواه ابو داؤد - قال الالبانی: الحدیث صحیح بلا ریب، مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی۔ ص ۳۴ ج ۱)

۲۔ اس نور محمدی کے بارے میں غیر مقبول روایات کی مدد سے بڑی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدم کے تیرہ وتار جسم کا چراغ بنا۔ پھر آدم نے مرتے وقت حضرت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا۔ اسی طرح یہ درجہ بہ درجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔

۳۔ یہ بھی روایت ذکر کی جاتی ہے کہ یہ نور جب بلوغ کے وقت عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ آخر کار ان کے باپ ان کو ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو

آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلے سے وہ دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

نور محمدی اور آپ کی ولادت نیز حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کے قیام کے دور میں پیش آنے والے واقعات کی بابت اور قبل نبوت آپ کی نبوت کے آثار کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب روایات بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں جو سب نہایت درجہ سقیم ہیں۔ اسی طرح یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے محاسن کے جامع ہیں، تمام انبیاء کو جو محاسن و معجزات دئے گئے وہ سب آپ سے بھی ظاہر ہوئے بہت سی ضعیف و موضوع روایات کا سہارا لینا پڑا۔ ان سب کو اگر میں ذکر کروں تو وہ ایک طویل دفتر ہوگا۔ اسے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی جلد ثالث میں ”غیر مستند روایات“ کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ان پر کسی قدر کلام بھی فرمایا ہے۔ یہ پوری بحث سیرۃ النبی جلد ثالث کے ۷۵ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود سید صاحب فرماتے ہیں کہ دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔ اس لیے ہم نے صرف ان روایات کی تنقید پر قناعت کی ہے جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔ (ص ۷۳۷)

قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا۔ مگر دروغ گو راویوں کو ان آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے تسلی نہ ہوئی اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے طول طویل کہانیاں تصنیف کر ڈالیں اور پیشین گوئیوں کے دائرہ کو اس قدر وسعت دی کہ یہودیوں کو

دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علماء یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خدو خال معلوم تھا، بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی۔ تورات و انجیل میں آپ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں جیسا کہ میں عرض کر چکا، یقیناً موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں مگر وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں۔ ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ مشہور و بیان کیا گیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس باب میں بھی بہت کچھ گھرا گیا۔

مثلاً کہا گیا کہ جب آپ کے قُرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کاہن مقفی مسیح فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوک یمن، شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کے مورث اعلیٰ کعب بن لوی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ والوں کو آپ کی پیدائش و نبوت کی بشارت دیا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگ احبار و رہبان کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے یہودیوں کے ذریعہ مشہور تھا کہ یثرب آپ کا دار الحجرت ہو گا اس لیے وہ آپ کے منتظر تھے، اور جب آپ کی پیدائش ہوئی تو ان دروغ گور او یوں کے بیان کے مطابق بے شمار عجائب

وغرائب کے ظہور کے ساتھ کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، کسریٰ کے محل کے چودہ کنگورے گر گئے، بحر طبریہ خشک ہو گیا۔ آتش فارس بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے بجھی نہ تھی اور ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔ (ص ۷۳۴)

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے قبل و بعد اور پیدائش کے وقت جھوٹے

راویوں نے اس طرح کی کہانیوں کے جس قدر بھی انبار لگا دیئے ہیں۔ وہ روایت و درایت دونوں لحاظ سے بے حد کمزور ہیں اور اسی بنا پر کتب صحاح ستہ اور معتبر و مستند کتب احادیث کے مصنفین و محدثین نے ان روایات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

حضرت مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”حدیث کا درایتی معیار“ میں یہ بڑی معقول بات لکھی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے وقت کوئی صحابی موجود نہ تھا جس کی روایت قابل قبول ہو، ایسی حالت میں یہ روایتیں عمومی شہرت کی بنا پر ہوں گی۔ یا تو رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہوگی۔ اگر ان واقعات کی شہرت اسی طرح ہوتی جیسی ان روایتوں سے ظاہر ہے تو بعد میں رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ رسالت میں جس قدر دشواریاں پیش آئیں وہ نہ آتیں اور ہر شخص ان واقعات کی شہرت کی بنا پر فوراً ایمان لے آتا، اور اگر رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس ان واقعات کی وضاحت فرمائی ہوتی تو اتنے اہم واقعات کا تذکرہ حدیث کے مستند ذخیروں میں ضرور ہوتا، یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت کے ان واضح دلائل نبوت کو محدثین نظر انداز کر دیتے۔“ (ص ۲۷۸)

نور محمدی اور آپ کی ولادت سے متعلق خاص طور پر کہانیاں سب سے زیادہ گھڑی گئیں ہیں۔ میں نے شروع میں ذکر کیا کہ اس طائفہ نے نور محمدی کو تخلیق الہی میں سب سے پہلی تخلیق قرار دی ہے اور ایک روایت تو یہ بھی بیان کی جاتی ہے: ”ان نور محمد خلق من نور اللہ“ نور محمدی اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا۔

ہے۔ (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه للشیخ عبد الحئی الکنوی، ص ۲۷۲)

نیز مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا: میں محمد کا واسطہ دیکر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں۔ اللہ نے پوچھا: تم نے محمد کو کیسے جانا؟ آدم نے کہا: جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش پہ یہ لکھا ہوا پایا ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ تب میں نے جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین مخلوق کا نام جوڑا ہے۔ خدا نے کہا: تو نے سچ کہا، اے آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (الآثار المرفوعة، ص ۲۷۲)

یہ آخری بات موضوعات کبیر والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعه وغیرہ میں بھی ہے کہ اللہ نے فرمایا ”لولاک لما خلقت الا فلاک“ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ صفائی نے کہا: یہ موضوع روایت ہے۔ ایک روایت ہے ”كنت نبياً وادم بين الماء والطين“ میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم پانی اور مٹی کے مرحلہ میں تھے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/ ۲۳۸-۱۴۷) یہ روایت من گھڑت ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے اور نہ کسی اہل علم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ علامہ شوکانی نے ابو عبد اللہ الحاکم کے حوالہ سے بلفظ ”كنت نبيا وادم بين الروح والجسد“ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ مگر

۱۔ ائمہ علم جانتے ہیں کہ ائمہ جرح و تعدیل میں ایک طبقہ وہ ہے جو احادیث کی تصحیح و تخمین میں تسابیل قرار دیا گیا ہے اور انہیں میں سے امام ترمذی و حاکم و بیہقی ہیں۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل ص ۳۹۶) حاکم کی تصحیح کی بابت علامہ ابن القیم فرماتے ہیں ﴿

علامہ صفانی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے موضوع حدیث قرار دیا ہے۔
(الفوائد المجموعه فی الاحادیث الموضوعه، ص ۳۲۶)

حافظ جורقانی نے محمد بن سعید المصلوب عن حمید عن انس کے طریق سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ“ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا مگر یہ کہ چاہے اللہ۔

حافظ جورقانی فرماتے ہیں کہ یہ استثناء (الا ان یشاء اللہ) موضوع باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، یہ محمد بن سعید شامی کی موضوعات سے ہے جو زندیق ہو جانے کے بعد سولی دے دیا گیا تھا۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو، یہ بڑا وضاع و کذاب تھا۔ اس نے حدیث صحیح میں ”الا ان یشاء اللہ“ کا جملہ اپنی طرف بڑھا کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیا تا کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی بابت شک ڈال دے۔ یہ استثناء مسلمانوں کے نزدیک کفر والحاد و زندقہ ہے۔ (الاباطیل والمناکیر، ص ۱۲۰)

علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے ”توسلوا بجاہی فان جاہی عندا للہ عظیم“ (اپنی حاجت روائی کے لیے) میرے جاہ و مقام کو وسیلہ بناؤ کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ و مقام بہت بلند ہے۔ (ص ۱۶۷) لاریب اللہ کے رسول کا مقام و مرتبہ اللہ کی نظر میں بہت بلند ہے۔

”ولا یعبأ الحفاظ اطباء الحدیث بتصحیح الحاکم شیئا ولا یرفعون بہ راسا البتہ بل لا یعول علی تصحیحہ ولا یدل تصحیحہ علی حسن الحدیث بل قد یصح اشیاء موضوعہ بلا شک عند اہل العلم بالحدیث۔ (تعلیق علی المنار المنیف ص ۲۲ بحوالہ ”الفردوسیہ“ لابن القیم)

مگر یہ حدیث بے بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ نسبت بطریق صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے یہ بات فرمائی ہے۔

ملا علی قاری نے الموضوعات الکبریٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے ”من زارنی وزار ابی ابراہیم فی عام واحد دخل الجنة“ جس نے ایک ہی سال میں میری بھی زیارت کی اور میرے باپ ابراہیم کی بھی زیارت کی، وہ دخول جنت کا مستحق ہو گیا۔ (ص ۲۳۲) اس روایت کو ذکر کر کے ملا علی قاری لکھتے ہیں :

”قال ابن تیمیة انه موضوع، وكذا قال النووی فی اخر الحج من شرح المہذب انه موضوع باطل لا اصل له، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام نوویؒ نے بھی شرح مہذب میں لکھا ہے یہ حدیث موضوع باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

اس حدیث کو علامہ البانی نے بھی اپنی ضعیفہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زرکشی نے ”اللاالی المنشورہ“ میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱، حدیث ۴۶)

علامہ البانی نے یہ حدیث بھی ذکر کی اور اسے موضوع حدیث قرار دیا ہے جس میں اس بات کا بیان ہے کہ میری امت میں سب سے پہلے میرے اہل بیت کو میری شفاعت نصیب ہوگی، پھر اقرب فالاقرب کو، پھر انصار کو، پھر ان کو جو مجھ پر ایمان لائے اور میری اتباع کیا، پھر یمن والوں کو، پھر تمام عرب کو، پھر عجمیوں کو، لیکن سب سے پہلے جس کے لیے شفاعت کروں گا وہی سب سے افضل ہوگا۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دے کر اس کی سند پر مفصل کلام کیا ہے۔ (حوالہ مذکور حدیث ۷۳۲، ج ۲)

علامہ شوکانی نے ”الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ“

میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے، ”ذہبت بقبرامی فسالٹ اللہ ان یحییہا فاحیایا فامنت بی وردھا اللہ تعالیٰ“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں اپنی ماں کے قبر کے پاس گیا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری ماں کو زندہ کر دے، تو اللہ نے انہیں زندہ کر دیا پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلا لیا۔ (ص ۳۲۲)

یہ روایت موضوع ہے، اس کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں اور ایک راوی محمد بن زیاد النقاش کذاب و وضاع راوی ہے۔

خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ میں یہ حدیث ذکر کی ہے ”فضلت علی الناس بأربع: بالسخاء، والشجاعة، وكثرة الجماع، وشدة البطش“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چار امور میں لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے، سخاوت میں، شجاعت میں اور کثرت جماع میں اور شدت گرفت میں۔

علامہ البانی نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ حدیث ۱۵۹۷، ج ۴)

اور یہ بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس آدمی کے برابر قوت جماع دی گئی تھی۔ علامہ البانی نے اس سلسلہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتانی جبریل بقدر فاقلت منها فاعطیت قوة اربعین رجلا فی الجماع، جبریل میرے پاس ایک ہانڈی لے کر آئے تو میں نے اس میں سے کھایا اس کے کھانے سے مجھے چالیس مردوں کی قوت جماع عطا کی گئی۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۴، حدیث ۱۶۸۵)

علامہ البانی نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے، پھر

اس کے بعد اسی مفہوم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ جبریل میرے پاس جنت سے ایک حلوہ (ہریسہ) لے کر آئے جسے میں نے کھایا تو مجھے چالیس مردوں کی قوت جماع عطا کی گئی۔ (ایضاً حدیث ۱۶۸۶)

علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر طویل بحث کی ہے اور علامہ ابن القیم نے بھی غیر صحیح روایات کے ضمن میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (المنار المنیف ص ۶۴ حدیث ۱۱۱)

علامہ ابن القیم نے باطل احادیث ہی کے ضمن میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے: ”من ولد له مولود فسماه محمدا تبرکاً به کان هو والولد فی الجنة“ جس نے اپنے بچے کا نام بطور تبرک محمد رکھا تو اس کی برکت سے وہ اور اس کا لڑکا جنت میں داخل ہوں گے۔ (ایضاً ص ۶۱، حدیث ۹۴)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرۃ النبی ج ۳ میں معجزات نبوی کے متعلق غیر مستند روایات اور مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت پر بحث کے اختتام میں اجمالی طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

۱۔ وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔

۲۔ وہ معجزے جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔

۳۔ ایسی روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے لیے آسمان سے خوانِ نعمت یا جنت سے میوؤں کے آنے کا ذکر ہے موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

۴۔ وہ روایتیں جن میں حضرت خضر یا الیاس سے ملنے یا ان کے سلام و پیام

بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔

۵۔ عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

۶۔ روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی، یہ سرتاپا موضوع ہے۔

۷۔ واعظوں میں مشہور ہے کہ ابو جہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں، لیکن یہ ثابت نہیں۔

۸۔ وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ، اور ہر فی نامہ ترتیب پائی ہیں تمام تر جھوٹی ہیں۔

۹۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعتاً آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی، عرض کیا نہیں، آپ نے دعا کی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔

۱۰۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعتاً آپ تشریف لے آئے تو چہرہ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے۔

اور وہ روایتیں بھی صحیح طریق سے ثابت نہیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جب آپ نے ہجرت میں غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر ببول کا درخت اگ آیا اور کبوتر کے ایک جوڑے نے وہاں انڈے دے دیئے اور

مکڑی نے جالے تن دیئے تاکہ مشرکین کو اس غار کے اندر آپ کے ہونے کا گمان نہ ہو۔ شیخ علی ابراہیم حشیش فرماتے ہیں ”لا یصح حدیث فی عنکبوت الغار والحمامتین“ غار پر مکڑی کے جالا تنے اور کبوتروں کے انڈا دینے کی بابت کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ نیز آگے لکھتے ہیں: یقول اللہ تعالیٰ: ”وایدہ بجنود لم تروها“ (توبہ آیت: ۴۰) فہی صریحة بان النصر والتائید انما کان بجنود لا تری والعنکبوت والحمامتان والشجرة مما یری، اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی مدد ایسے لشکر سے کی جسے تم نے نہیں دیکھا، یہ آیت صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی نصرت و تائید اللہ تعالیٰ نے اس طرح پردہ غیب سے کی تھی جو دیکھی نہ جاسکتی تھی اور مکڑی و کبوتر و درخت تو دیکھی جانے والی چیزیں ہیں۔

نیز شیخ علی ابراہیم نے ان سب روایتوں پر مفصل بحث کی ہے اور انہیں غیر صحیح روایات قرار دیا ہے (مجلۃ التوحید، قاہرہ شعبان ۱۴۱۲ھ) علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی سیرۃ النبی میں اس پر بحث کی ہے اور اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔

اور ہجرت کے راستہ میں اُمّ معبد کی خشک تھن والی بکری دوہنے اور ام معبد کا ابو معبد سے رسول اللہ ﷺ کا اوصاف بیان کرنے کی جو روایت ہے وہ بھی کلام سے خالی نہیں ہے۔ امام ذہبی اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی طریق صحیح سند سے شرائط کے مطابق نہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۳، ص ۷۷)

سیرت نبوی کے باب میں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا، موضوع و منکر و ضعیف روایات کا بڑا انبار ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں غیر صحیح

روایات کی اشاعت کا مسلمانوں کے معاشرے پر بہت برا اثر پڑا اور ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا جس نے امت کو خرافات کے دلدل میں ڈال دیا۔

ملا علی قاری نے موضوعات میں اور علامہ سیوطی نے ”تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص“ میں ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے کہ بغداد میں ایک قصہ گو واعظ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت (۷۹) ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً“ (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا) سے یہ مفہوم نکالا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرش الہی پر جلوہ فرما ہوں گے۔ جب اس کا علم محمد بن جریر طبری کو ہوا تو انہیں اس پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے اپنے گھر کے دروازہ پر لکھ دیا ”سبحان من لیس له انیس و لاله علی عرشہ جلیس“ پاک ہے وہ ذات جس کا ایسا کوئی درست نہیں جو اس کے عرش پہ اس کا ہم مجلس ہو۔

جب بغداد کے عوام نے جنہوں نے واعظین سے یہ سن رکھا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش الہی پر جلوہ فرما ہوں گے، اس کے خلاف امام طبری کے گھر پر یہ عبارت دیکھی تو بھراٹھے اور ان کے گھر پر پتھراؤ شروع کر دیا، ان کا دروازہ توڑ دیا اور ان پر پل پڑے۔

یہ ہوتا ہے اس ظائفہ کا انداز جو آج تک جاری ہے، جو اپنے مزعومات و خرافات کے خلاف کوئی لفظ سننا گوارہ نہیں کرتے اور جو کوئی ان خرافات کے خلاف کچھ لکھتا بولتا ہے اس پر سخت برہم ہو جاتے ہیں۔ ضعیف و موضوع روایات نے امت کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اس سے بڑے بڑے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کاش ہمارے پیشہ ور واعظین اسے سمجھیں اور عامۃ المسلمین کو بھی اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ دے۔

فہرست ضعیف و موضوع روایات

”یہاں عربی عبارت درج ہے جب کہ کتاب میں کہیں کہیں صرف ترجمہ درج ہے۔“

”الف“

الایمان مثبت فی القلب کالجبال

الرواسی و زیادتہ و نقصہ کفر

أبغض الکلام الی اللہ الفارسیہ

أتانی جبریل بقدر فاکلت منها

أتانی جبریل بهریسة من الجنة

اترعون عن ذکر الفاجر، اذکروه بما فیہ یحذره الناس

اتقوا مواضع التهم

احبو العرب لثلاث

احیوا قلوبکم بقلۃ الضحک وقلۃ الشبع

اختلاف اصحابی لکم رحمة

اختلاف امتی رحمة

اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلاة

اذا كانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلہا وصوموا یومہا

اذا کانوا ثلاثة فلیؤمهم اقرؤهم لکتاب اللہ

اذا مدح الفاسق غضب الرب

أشر الناس شرار العلماء

أفضلکم عند اللہ منزلة یوم القیامة أطولکم جوعا

الا ان اربعين دار جوار
 الا ان شر الشر شرار العلماء
 انا خاتم النبيين لا نبي بعدى الا ان يشاء الله
 انا عربى والقرآن عربى ولسان اهل الجنة عربى
 ان الاكل على الشبع يورث البرص
 ان الجنة تزخر ف لرمضان من راس الحول
 ان الله يحب كل قلب حزين
 ان للحاج الراكب بكل خطوة سبعين حسنة
 ان من السرف ان تاكل ما اشتهيت
 ان النبي صلى الله عليه وسلم قال:
 سمع الحسن البصرى عن ابى هريرة
 ان من اشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة
 ان نور محمد خلق من نور الله
 اوصانى جبريل بالجار الى اربعين دارا
 اول ما خلق الله نورى
 اول من اشفع له من امتى اهل بيتى
 اوصى ان يقرأ على قبره وقت الدفن
 اياك والسرف فان اكلتين فى يوم من السرف
 ”ت“

تفضل الصلاة التى يستاك لها
 توسلوا بجاهى فان جاهى عند الله عظيم

”ج“

جاهدوا أنفسكم بالجوع والعطش

”ح“

الحجر الأسود يمين الله فى الارض يصافح بها عباده

حديث ام معبد فى طريق الهجرة

حديث فى عنكبوت الغار والحمامتين

الحديث فى المسجد باكل الحسنات

كما تاكل البهائم الحشيش

حسنات الابرار سيئات المقربين

حق الجوار الى اربعين دارا

”خ“

خروج الامام يوم الجمعة يقطع الكلام

”ذ“

ذهبت لقبر أمى فسألت الله أن يحييها

”ر“

رأيت رسول الله ﷺ اذا فرغ من سبعة جاء

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم

مما يلى باب بنى سهم

رمضان بالمدينة خير من الف رمضان فيما سواها

”س“

سور المومن شفاء

سيد الأعمال الجوع

”ش“

شاب سفيه سخرى احب الى من شيخ بخيل عابد

”ط“

طاف بالبيت سبعة ثم صلى ركعتين

وليس بينه وبين الطواف أحد

”ع“

عظموا ضحاياكم فانها على الصراط مطاياكم

علماء امتي كأنبيا بني اسرائيل

عن ابن عمر انه اوصى ان يقرأ على قبره وقت الدفن

”غ“

الغيبة تنقض الوضوء والصلاة

”ف“

فضلت على الناس بربع بالسخاء والشجاعة

الفكر نصف العبادة وقلة الطعام هي العبادة

فيما سقت السماء العشر... في قليله وكثيره

”ق“

قد أظلكم شهر عظيم

قسم من الله عز وجل لا يدخل الجنة بخيل

”ك“

كان اذا تغدى لم يتعش واذا تعشى لم يتغد

كان اذا صلى مسح بيده اليمنى على رأسه ويقول

الكلام المباح في المسجد يأكل الحسنات

كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد

كنت نبيا و آدم بين الماء والطين

”ل“

لو اعتقد أحدكم بحجر لنفعه

للماشي أجر سبعين حجة وللراكب ثلاثين حجة

ليومكم أحسنكم وجها فانه أحرى ان يكون احسنكم خلقا
لولاك لما خلقت الافلاك

ليس لفاسق غيبة

”م“

ما خاب من استخار ولا ندم من استشار

ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر

احب الى الله من اهراق الدم

مسح الرقبة أمان من الغل

مسح العينين عند قول الموذن : اشهد

من أجاع بطنه عظمت فكرته وفطن قلبه

من أدرك رمضان بمكة فصام وقام

من أذن خمسا ايمانا واحتسابا غفر له

من أذن سبع سنين محتسبا كتب الله له براءة من النار

من أذن على نية صادقه لا يطلب عليها اجرا

من اشترى ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام

من بلغه عن الله شئ فيه فضيلة

من بلغه عن الله فضل فاخذ بذلك

من توضأ ومسح عنقه لم يغل بالآغلال يوم القيامة

من حافظ على الاذان سنة وجبت له الجنة

من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني

من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي

من حج من مكة ماشيا

من رفع يديه في الصلاة فسدت صلاة

من رفع يديه في الصلاة فلا صلاة له

من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة غفر له
 من زار قبر والديه كل جمعة فقرء عندهما يس
 من زارني وزار أبي إبراهيم في عام واحد دخل الجنة
 من سافر يوم الجمعة دعا عليه ملكاه
 من سافر يوم الجمعة دعت عليه الملائكة
 من صام من رجب كذا وكذا
 من صلى بعد المغرب ست ركعات
 من صلى بين المغرب والعشاء عشرين ركعة
 من صلى ست ركعات بعد المغرب
 من صلى ليلة النصف من شعبان
 من ضحى طيبة بها نفسه كانت له حجابا من النار
 من قرأ خلف الإمام ملئى فوه نارا
 من لم تنه صلته عن الفحشاء والمنكر فلا صلاة له
 من لم تنه صلته عن الفحشاء والمنكر
 لم يزد من الله الا بعدا
 من نام بعد العصر فاختلس عقله فلا يلوم الا نفسه
 من وسع على عياله في النفقة يوم عاشوراء
 من ولد له مولود فسماه محمدا
 مهما أوتيت من كتاب الله فالعمل به

”ي“

يا ايها الناس ليست العربية بأحدكم من أب ولا أم
 يا رسول الله ما هذا الأضحى؟ قال سنة أبيكم إبراهيم
 يا عائشه اما تحبين ان يكون لك شغل الا جوفك
 يا معاذ اذا كان في الشتاء فغسل بالفجر

يكون في امتي رجل يقال له ابو حنيفة
يكون في امتي رجل يقال له محمد بن ادريس

فہرست مقبول روایات

”یہاں عربی عبارت درج ہے جب کہ کتاب میں کہیں کہیں صرف ترجمہ درج ہے۔“

”الف“

اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين
اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين
اذا صلى احدكم الى شئ يستره من الناس
اذا قلت لصاحبك انصت يوم الجمعة والامام يخطب
ان فلانا يصلي الليل كله فاذا اصبح سرق
انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس
انهم كانوا يتحدثون حين يجلس عمر على المنبر
ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى الصبح مرة بغلس
اول ما خلق الله القلم
اياكم والغلو في الدين
”ر“

رايت انس بن مالك دخل المسجد الحرام فركز شيئا
رايت عبد الله بن عمر يصلي في الكعبة
ولا يدع احدا يمر بين يديه

”ص“

صلاة في مسجدي كالف صلاة فيما

سواه الا المسجد الحرام

”ك“

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع

”ل“

لا تطروني كما اطرت النصارى عيسى بن مريم

لا فضل لعربي على عجمي الا بالتقوى

لو يعلم الماربين يدي المصلى ماذا عليه من الاثم

ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة

”م“

ما تركت شيئا يقربكم الى الله وقد امرتكم به

ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه

ما من ايام العمل الصالح احب الى الله

فيهن من عشر ذى الحجة

من اذن اثنى عشرة سنة وجبت له الجنة

من قال على ما لم اقل فليتبوا مقعده من النار

من كان يوم من بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره

من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار

”و“

والله لا يؤمن الذى لا يؤمن جاره بوائقه

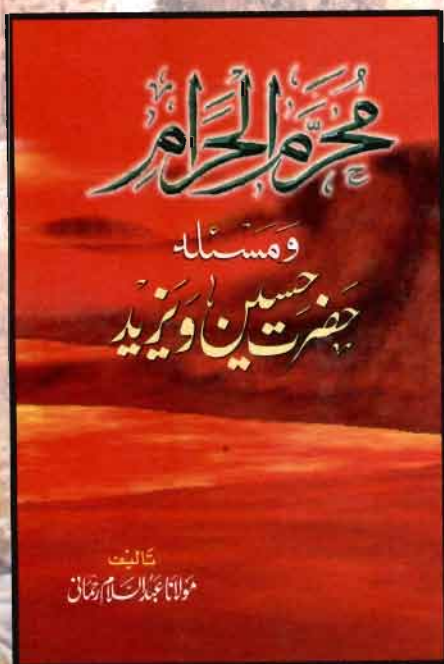
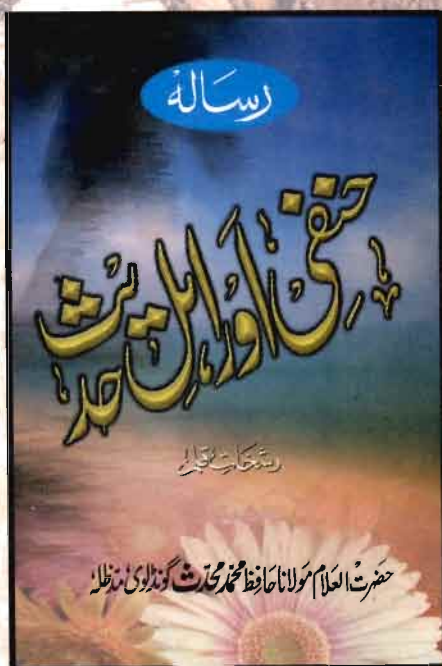
”ي“

يا حنظلة ساعة و ساعة

يا نساء المسلمين لا تحقرن جارة لجارتها

يوم القوم اقرؤهم لكتاب الله

ہماری کچھ اہم مطبوعات



فردوس پبلیکیشنز
۱۷۸۱، حوض سویوالان، نئی دہلی - ۲